

# ابکار



پروین شاکر

LINDNER

000200

1

# اِنکار

پروین شاکر

مراد پبلی کیشنر۔ اسلام آباد

# بڑیں قادر آغا کے نام

## جملہ حقوق بحقِ مصنفہ محفوظ ہیں

بارِ اول : مئی ۱۹۹۰ء  
ناشر : سید مراد علی  
مطبع : پرنٹ سٹائل،  
پوٹھو ہار پلازا، بلیو ایریا۔ اسلام آباد۔ فون ۸۱۳۹۲۶  
کتابت : افضل الکتابت، راولپنڈی ۷۰۸۳  
سرورق : جاوید قاضی  
پس ورق : ظفر احمد  
تقسیم کار : مرٹر بکس، اسلام آباد  
تعداد : ۳۱۰۰  
قیمت : ۱۵۰ روپے  
پستہ : پوسٹ بکس، اسلام آباد

# مرتبہ

- ۱۔ سچ گئی بزمِ رنگ و نور ایک نگاہ کے لئے ۹۰
- ۲۔ بابِ حریرت سے مجھے اذنِ سفر ہونے کو ہے ۱۰۰
- ۳۔ بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلک سے ہے ۱۱
- ۴۔ کچھ خبرِ لائی تو ہے با دبہاری اس کی ۱۲
- ۵۔ دیکھنے کا جے کل رات میں ڈھنگ اور تھا ۱۳
- ۶۔ شام بھی روشن ہے کچھ جذب دروں کی ضرب بھی ہے ۱۴
- ۷۔ شہنشیں پر چاند آترا، اک پرانی یاد کا ۱۵
- ۸۔ شرارِ برق سے سارا جہاں روشن تھا ۱۶
- ۹۔ ہوا ہمک اُٹھی، رنگِ چین پدنے لگا ۱۷
- ۱۰۔ تری نظر میں کہاں باریاب ہونا تھا ۱۸
- ۱۱۔ زندگی کوئے ملامت میں تواب آئی ہے ۱۹
- ۱۲۔ حیراں ہجومِ رنگ میں یہ چشمِ کب سے ہے ۲۰
- ۱۳۔ ایک ادا س نظم ۲۱
- ۱۴۔ فیض کے فراق میں ۲۲
- ۱۵۔ تیری خوشبو کا پتا کرتی ہے ۲۳
- ۱۶۔ اک ہنسر تھا کمال تھا کیا تھا ۲۴
- ۱۷۔ اے رنج بھری شم ۲۵
- ۱۸۔ ایک پیغام ۲۶
- ۱۹۔ وہ کیسی، کہاں کی زندگی تھی ۲۷
- ۲۰۔ تیرے ابھائے کیا کسی اور دیار بس گئے ۲۸
- ۲۱۔ ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کی ۲۹
- ۲۲۔ اس بار توبہ پاس تھے ہم ۳۰
- ۲۳۔ کھلا ہے آج دل لالہ فامِ کس کے لئے ۳۱
- ۲۴۔ ایک دفنا فی ہونی آواز ۳۲
- ۲۵۔ مراد ۳۳
- ۲۶۔ شرات سے بھری انکھیں ۳۴
- ۲۷۔ سفراب جتنا باقی ہے ۳۵
- ۲۸۔ اپنے بیٹے کے لئے ایک نظم ۳۶

۲۹۔ جدائی کی پہلی رات ۳۶

۳۰۔ بیٹھی ہے بال کھولے ہوئے میرے پاس شب ۳۸

۳۱۔ نظر کے سامنے اک استھنے ضروری ہے ۴۹

۳۲۔ اب اور جینے کی صورت نظر نہیں آتی ۵۰

۳۳۔ پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے ۵۱

۳۴۔ مقتول وقت میں خاموش گواہی کی طرح ۵۲

۳۵۔ پھر ایسا ہوا ہے جو بصارت میں نور یک ۵۳

۳۶۔ چھاؤں یعنی آئے ہیں یوں نفس سے مجبور ہوئے ۵۴

۳۷۔ نشاطِ غم ۵۵

۳۸۔ دو ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبر آ جاتا ۵۷

۳۹۔ اُس سے مٹا ہی نہیں دل میں تہیتہ کر لیں ۵۸

۴۰۔ صبص بہت ہے ۵۹

۴۱۔ بہت دل چاہتا ہے ۶۰

۴۲۔ چیلنج ۶۲

۴۳۔ ۱۹۸۷ کے لئے ایک دعا ۶۳

۴۴۔ صیاد تو امکان سفر کا شرط ہے ۶۴

۴۵۔ اگرچہ تجھ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا ۶۴

۴۶۔ رستے میں لگا تو، شرکب سفر نہ جان ۶۸

۴۷۔ اسی میں خوش ہوں میرا ذکر کوئی تو سہتا ہے ۶۹

۴۸۔ شناسے انجمن و تبعیع کیکش اس کے لئے ۷۰

۴۹۔ کچھ دیر میں تجھ سے کافی گئی تھی ۷۱

۵۰۔ یوں وحشتِ رحمت میں نہ اس دل کو کھا جلتے ۷۲

۵۱۔ دنیا سے بے نیاز ہوں، اپنی ہوا میں ہوں ۷۳

۵۲۔ تازہ محبتتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے ۷۴

۵۳۔ بہار اپنی بہار پہے ۷۶

۵۴۔ شہزادی کا المیہ ۷۸

۵۵۔ سیر زندگی کے دل، باغ کا در تو کھوئے ۸۳

۵۶۔ شہر کے سارے معتبر آخر اسی طرف ہوئے ۸۴

۵۷۔ زندگی کی دھوپ میں اس سر پہ اک چادر تھے ۸۵

۵۸۔ ہوئے تازہ میں پھر جسم و جاں بسانے کا ۸۶

۵۹۔ دعا یہ کی جی نہیں تو مر امقدار ہو ۸۷

۶۰۔ راہ دشوار کی جو دھوول نہیں ہو سکتے ۸۸

۶۱۔ زندگی بے سانپاں بے گھر کبیں اسی نہ تھی ۸۹

۶۲۔ ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جانے ۹۰

۶۳۔ ہر ذرہ جیسے آئینہ بروش ہو گی ۹۱

- ۶۷ - ملکہ در جلقہ بہائے پند و وعظ آنے لگے ۹۲  
 ۶۸ - دل کی بربادی کا کوئی سلسلہ پہنچ سے تھا ۹۳  
 ۶۹ - اسی دن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے ۹۴  
 ۷۰ - چارہ سازوں کی اذیت نہیں دیکھی جاتی ۹۵  
 ۷۱ - جز غبار را کچھ پیش نظر کھانا نہیں ۹۶  
 ۷۲ - پہنچے جو سر عرش تو نادار بہت تھے ۹۷  
 ۷۳ - وقت ہوتا کہ مرا بخت عنان گیر، سوبے ۹۸  
 ۷۴ - موجود گل کو ہم آواز نہیں کر سکتے ۹۹  
 ۷۵ - ..... لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی ۱۰۰

۱۰۱ ' GOOD TO SEE YOU ' ۱۰۲  
 ۱۰۲ - ایک منظر ۱۰۳  
 ۱۰۳ - اس نے پھول بھیجے ہیں ۱۰۴

#### ۱۰۵ ' HOT LINE ' ۱۰۶

- ۱۰۷ ' VANITY THY NAME IS ..... ' ۱۰۸  
 ۱۰۸ - دل کو مہر دہد و انجم کے قریں رکھنا ہے ۱۰۸  
 ۱۰۹ - جب کبھی خوبی قسمت سے تھجھے دیکھتے ہیں ۱۰۹  
 ۱۱۰ - امید مہزا کیک نظر پر زندہ ہیں ۱۱۰  
 ۱۱۱ - گلابی پھول دل میں کھل پکے تھے ۱۱۱  
 ۱۱۲ - تمہاری زندگی میں ..... ۱۱۲  
 ۱۱۳ - ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا ..... ۱۱۳  
 ۱۱۴ - نیا گرد فالز ۱۱۵  
 ۱۱۵ - دیست مفتری ہے ۱۱۶  
 ۱۱۶ - جانے کب تک رہتے ہی ترتیب ۱۱۸  
 ۱۱۷ - آنکھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا ۱۱۹  
 ۱۱۸ - جو صحیح خواب ہوا، شب کو پاس کتنا تھا ۱۱۸  
 ۱۱۹ - دل کی حالت ہے اضطرابی پھر ۱۱۹  
 ۱۲۰ - سفر خواب ، ۱۲۲  
 ۱۲۱ - ایک شریعت نظم ، ۱۲۳  
 ۱۲۲ - وہ باغ میں میرا منتظر تھا ۱۲۵  
 ۱۲۳ - شجر کے ہاتھ میں اک زرد پھول باقی ہے ۱۲۷  
 ۱۲۴ - قسمت سے بھی کچھ سوار دیا ہے ۱۲۸  
 ۱۲۵ - رکنے کا ستے گز گیا ہے ۱۲۹  
 ۱۲۶ - باواحسان اٹھائے جس تیس کا ۱۳۰  
 ۱۲۷ - لوٹا ہے مجھے گھر جائیگا آخر دہ بھی ۱۳۱  
 ۱۲۸ - کیا بات ہے جس کا علم بہت ہے ۱۳۲  
 ۱۲۹ - عجب اک ساعت گل فلام آئی ۱۳۳

- ۱۰۰۔ رستہ ہی نیا بے نہ میں انجان بہت جوں ، ۱۳۳ ،  
 ۱۰۱۔ فیض صاحب کے لئے ایک اور لفڑم ، ۱۳۵  
 ۱۰۲۔ نماش ، ۱۳۷  
 ۱۰۳۔ سندھ کی ایک بیٹھی کا پسے رجولٹ سے ایک سوال ، ۱۳۰  
 ۱۰۴۔ دشت غربت میں ہیں اور رنج سفر کیجیتے ہیں ، ۱۳۳  
 ۱۰۵۔ کراچی — ۱۸۸۹ کی آخری شام ، ۱۳۵  
 ۱۰۶۔ جب ہو کے صبا کوچہ تعزیر سے آئی ، ۱۳۷  
 ۱۰۷۔ شہر جمال کے خس و خاشاک ہو گئے ، ۱۳۸

## شتری نظمیں

- ۱۰۸۔ ندامت ، ۱۵۱  
 ۱۰۹۔ بشیر سے کی گھروالی ، ۱۵۲  
 ۱۱۰۔ ایک U.D.C کی ڈائری ، ۱۵۶  
 ۱۱۱۔ گما تو یکھپ ، ۱۵۹  
 ۱۱۲۔ اشیل ملز کا ایک خصوصی مزدور ، ۱۶۲  
 ۱۱۳۔ سعیدری کی ایک نظم ، ۱۶۳  
 ۱۱۴۔ ایک مشکل سوال ، ۱۶۵  
 ۱۱۵۔ یاسر عرفات کے لئے ایک نظر ، ۱۶۶  
 ۱۱۶۔ دوستِ ملک کے لئے ایک نظم ، ۱۶۸  
 ۱۱۷۔ SAN FRANCISCO ، ۱۷۱  
 ۱۱۸۔ ایک افسر اعلیٰ کا مشورہ ، ۱۷۳  
 ۱۱۹۔ ایک سو شل و رکر خاتون کا مسئلہ ، ۱۷۵  
 ۱۲۰۔ کراچی ، ۱۷۷  
 ۱۲۱۔ کلفٹن کے پل پر ، ۱۷۸  
 ۱۲۲۔ کتنے برس گئے ..... ، ۱۸۰  
 ۱۲۳۔ چاند کی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں ، ۱۸۱  
 ۱۲۴۔ I'LL MISS YOU ، ۱۸۳  
 ۱۲۵۔ مشورہ ، ۱۸۳  
 ۱۲۶۔ اُسے اس بات کا پتہ نہیں ، ۱۸۵  
 ۱۲۷۔ مجھے جان لینا چاہئیے تھا ، ۱۸۶  
 ۱۲۸۔ بلے پر لکھی گئی ایک نظم ، ۱۸۸  
 ۱۲۹۔ پروین قادر آغا ، ۱۸۹  
 ۱۳۰۔ ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس ہیں ، ۱۹۲  
 ۱۳۱۔ ..... پھر وہی فرمان ، ۱۹۳  
 ۱۳۲۔ سندھ دریا کی محبت میں ایک نظم ، ۱۹۵

سچ گئی بزم رنگ و نور ایک نگاہ کے لئے  
بام پہ کوئی آگئی ازینت مباہ کے لئے  
فرشِ فلک پہ پاؤں رکھ دیکھ تو کس طرح سے ہیں  
تارے بپھے ہوتے تری چشم سیاہ کے لئے  
دل میں یقین صبح کی لوجو ذرا بلند ہو :  
کافی ہے ایک ہی دیا شب کی سپاہ کے لئے  
ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو اے مرے شہر یا رحْسُن  
آئے نہیں تری طفہ منصب جاہ کے لئے  
میری پھٹی ہوئی ردا دے بھی گئی بیان مگر  
فیصلہ رک گیا ہے ایک اور گواہ کے لئے  
کیا ہوا گر نہیں نصیب میرے بہاس کو رفو  
طڑہ زرفشاں تو بے تیسری کلاہ کے لئے  
ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو بہار گر ہیں یا  
سارا چمن جبلا دیا اک پر کاہ کے لئے  
ایک سہانی صبح کو شہر جبلا ہوا ملا  
ہوتی رہیں حفاظتیں ظل اللہ کے لئے  
سائے جہاں سے کٹ گئے کتنے ایسے رہ گئے  
کس نے کہا تھا عمر بھر عنم سے نباہ کے لئے

بابِ حرمت سے مجھے اذن سفر ہونے کو ہے  
تہنیت آئے دل کہ اب دیوازِ در ہونے کو ہے  
کھول دیں زنجیسِ رَد اور حوضِ کوحنالی کریں  
زندگی کے باغ میں اب سہ پہر ہونے کو ہے  
موت کی آہٹ نانی دے رہی ہے دل میں کیوں  
کیا محبت سے بہت خالی یہ گھر ہونے کو ہے  
گرد رہ بن کر کوئی حاصل سفر کا ہو گیا  
خاک میں مل کر کوئی لعل و گھر ہونے کو ہے  
اک چمک سی تو نظر آئی ہے اپنی حنک میں  
مجھ پہ بھی شاید توجہ کی نظر ہونے کو ہے  
گُشیدہ بستی مساونہ لوٹ کر آتے نہیں  
محجزہ ایں مگر بارِ دگر ہونے کو ہے  
رونق بازار د محفل کم نہیں ہے آج بھی :  
ساختہ اس شہر میں کوئی مگر ہونے کو ہے  
گھر کا سارا راستہ اس سرخوشی میں کٹ گیا  
اس سے اگلے موڑ کوئی ہمسفر ہونے کو ہے

بخت سے کوئی شکایت ہے نہ افلاک سے ہے  
یہی کیا کم ہے کہ نسبت مجھے اس خاک سے ہے  
خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے  
دُہ رویہ جو ہوا کا خس دخاشک سے ہے  
بزمِ خشم میں قبا فاک کی پہنسنی میں نے  
اوہ مری ساری فضیلت اسی پوشک سے ہے  
اتنی روشن ہے ترمی صبح کہ ہوتا ہے گماں  
یہ اجب لا تو کسی دیدہ نمتاک سے ہے  
ہاتھ تو کاٹ دیئے کو زہ گردن کے ہشم نے  
معجزے کی دُہی امیت مگر چاک سے ہے

پچھوں خبر لائی تو ہے باد بہاری اُسکی  
شاید اس راہ سے گزرے گی سواری اُسکی

میرا چہرہ ہے فقط اُسکی نظر سے روشن  
اور باقی جو ہے مضمونِ نگاری اُسکی

آنکھ اٹھا کر جو روا دار نہ تھا دیکھنے کا  
دُہی دل کرتا ہے اب منت دزاری اُسکی

رات کی آنکھ میرا میں ہے گلابی ڈورے،  
نیند سے پکیں ہوئی جاتی ہیں بھاری اُسکی

اس کے دربار میں حاضر ہوا یہ دل اور پھر  
دیکھنے والی محنت پچھوں کارگزاری اُسکی

آج تو اُس پر شہرتی ہی نہ محنت آنکھ ذرا!

اس کے جاتے ہی اظہر میں نے اُماری اُسکی

عرصہِ خواب میں رہنا ہے کہ لوٹ آنا ہے  
نیسلہ کرنے کی اُس بارہے باری اُسکی

دیکھنے کا جے کل رات میں ڈھنگ اور ہی تھا  
صحیح جب آئی تو اُس حیثم کارنگ اور ہی تھا

شیشہ جاں کو مے اتنی نداشت سے نہ دیکھ  
جس سے ٹوٹا ہے یہ آئینہ دہ سنگ اور ہی تھا

خلق کی بھبھی بُونی ساری ملامت اک سمت  
اس کے ہبھے میں چھپا تیر و تفنگ اور ہی تھا

کیا غرض اس سے کہ کس گوشہ عزالت میں رہا  
شمع کے آگے جب آیا تو پتگ اور ہی تھا

لوچراغوں کی بُنجھانے سے ذرا س ا پہلے  
میرے سردار کا اندازہ جنگ اور ہی تھا

شام بھی روشن ہے پچھے جذبِ دروں کی ضومبھی ہے  
ساتھ اُس کے کوہ پر دیدارِ ماہِ نومبھی ہے

اُبر ہے، کہبہ رہے اور دستِ شب میں منتظر  
اس سبِ علیم کے نما اک جامِ ابِ جو بھی ہے

پیر زن کی اک جھڈک سے بن معطر ہو گیا  
جیسے موچ رنگ میں خوشبو کی کونیِ رُد بھی ہے

سطحِ دریا بڑھ رہی ہے اور ہواۓ تنہ بھی  
آج کی شب ہی بہت نیچی دیے کی نوبھی ہے

بانگ کا حصہ تو میں بھی ہوں مگر میرا وجود  
سبز بھی اتنا نہیں ہے اور کچھ خودِ رُد بھی ہے

ایسا لگتا ہے کہ اس دنیا سے باہر بھی ہوں میں  
میرے چہرے میں کسی کے خواب کا پر تو بھی ہے

ثُنثیں پرچا نہ اڑا، اک پُرانی یاد کا  
دل میں پرچم سا کھلا کس فتیہ برباد کا

شہر پر اس ساعتِ ناسعد کا سایہ ہے اب  
بھٹپٹنے کے وقت کیوں پتھر رکھا بنیاد کا

بستیوں کی گونج پُرانداری ہونے لگی  
جیسے سنایا پکارے شہرنا آباد کا

چہرہ کہار کا دکھلا گیا اک اور رنگ  
ماٹنے بھر کے لئے دیدار بر ق و رعد کا

ایک ان دیکھی خوشی رقصماں ہے برگ و بار میں  
بانگ ہستی میں مرے موسم ہے ابر و باد کا

میں تو اڑنا بھول جاؤں زندگی بھر کے لئے  
بھر گیا ہے دل مگر مجھ سے مرے صتیاد کا

شمار برق سے سارا جہاں روشن تھا  
عجیب طرح سے کل آسمان روشن تھا

درائے چشم بھی اک روشنی فضائیں تھی  
کوئی مکان سے تالا مکان روشن تھا  
میں اس کے ساتھ رومنہ تھی کن فضاوں کو  
زمیں کا چہرہ نلک کے سماں روشن تھا  
  
وصالِ روح و نظر کے عجیب لمحے میں  
ہر ایک زاویہ جسم و جان روشن تھا  
فرق میں ہی رہے ہم تو سادی عُمر مگر  
چراغ سا کوئی نزدیک جان روشن تھا  
  
سپیدی خلطِ ساصلِ نظر میں تھی جب تک  
ہر استارہ، ترا باد بان روشن تھا  
طلوعِ انجم دیکوئی مہر سے پہنے  
جمماں گزرتا ہے یہ حنکدان روشن تھا

ہوا مہک اُٹھی۔ رنگ پس بدلنے لگا  
وہ میرے سامنے جب پیر ہن بدلنے لگا

بہسم ہوئے ہیں تو اب گفتگو نہیں ہوتی  
بیان حال میں طرز سخن بدلنے لگا

اندھیکر میں بھی مجھے جگہا گیا ہے کوئی  
بس اک نگاہ سے رنگ بدن بدلنے لگا

ذرا سی دیر کو بارش رکی تھی شاخوں پر  
مزاج سومن و سرد سمن بدلنے لگا

ونہ از کوہ پہ بجلی کچھ اس طرح پسکی  
با س وادی و دشت و دمن بدلنے لگا

تری نظر میں کھہاں باریاب ہونا تھا  
تمام عمر یہی اضطراب ہونا تھا

صبا پلی ہے جس انداز سے گلتاں میں  
بھی کو لالہ، بھی کو کلاپ ہونا تھا

بڑی امید بھتی کا جہاں میں دل سے مگر  
اے تو تیری طلب میں خراب ہونا تھا

سفر کی رات مسافر کی میزبانی کو  
کوئی ستارہ، کوئی ماہتاب ہونا تھا

بس اتنی غم بھتی اس سرز میں دل پہ مری  
پھر اس کے بعد اسے دھم دخواب ہونا تھا

زندگی کوئے ملامت میں تو اب آئی ہے  
اور کچھ چاہنے والوں کے سبب آئی ہے

ہم فقیروں میں کسی طور شکایت تیری  
لب پ آئی بھی تو تاحفہ نظر آئی ہے

پھول سے بھلے چلے جاتے ہیں جیسے دل میں  
اس گھستاں میں عجائبِ موجود طرب آئی ہے

میری پوشاک میں تائے سے اچانک پھکے  
بس کے آنکھن سے یہ ہوتی ہوئی شبائی ہے

محس سے پُوچھوں پس دیوارِ حمین کیا گزر می  
میسے گھر میں تو ہوا منہر بہ لب آئی ہے

- کون سے پھول تھے کل رات ترے بستر پر  
آن خوشبو ترے پہلو سے عجب آئی ہے

جیساں ہجوم رنگ میں یہ پشم کب سے ہے  
اس باغ میں بہار کسی کے بدب سے ہے

کب شکوہ تفافل و بیداد سب سے ہے  
تجھ سے گھمہ ہے اور نہایت ادب سے ہے

ہر شے میں حُسن اُس کے مقابل سے آئے گا  
مہتاب کا جمال بھی زنگارِ شب سے ہے

یہ عشق ہے اور اس میں سرافہری و کمال  
رخار و فال و خط سے نہ نام و نسب سے ہے

اس دل میں شوق دید زیادہ ہی ہو گیا  
اس آنکھ میں مرے لئے انکار جب سے ہے

# ایک اُدھنٹو

یہ حسین شام اپنی  
 ابھی جس میں گھل رہی ہے  
 ترے پیر ہن کی خوشبو  
 ابھی جس میں کھل ہے ہیں  
 مرے خواب کے شکوہ فی  
 ذرا دیر کا بے منظر!

ذرا دیر میں اُفون پہ  
 بھلے گا کوئی ستارہ  
 تر می سمت دیکھ کر رہ  
 کرے گا کوئی اشارہ  
 ترے دل کو آئیں گا پھر  
 کسی یاد کا بُلاوا  
 کوئی قصّہ جُدائی

کوئی کارِ نامکمل

کوئی خوابِ ناشکفہ

کوئی باتِ بھہنے والی

کسی اور آدمی سے!

ہمیں چاہیئے تھا ملت

کسی عہدِ مہرباں میں

کسی خواب کے یقین میں

کسی اور آسمان پر

کسی اور سر زمیں میں!

# فیض کے فرق میں

تہہ خاک

کیسا چراغ وقت نے رکھ دیا

کہ سیاہ پوش ہوئی ہوا،

کف دست بادِ صبا سے چھوٹ یہ کیا گرا

چمنِ نگاہ میں اب بہار کھیں نہیں

ہمہ شہر راہ میں اور نگار کھیں نہیں

پلِ سبز پر کوئی نجمِ راہِ فرد زاب نہیں خیر کش

وہ غبار اٹھا ہے کہ سو جھتا نہیں راستہ

مرے ماہتاب کہاں ہے تو

کوئی اور بھی ہے نظامِ مہر و نجوم جس کو رد اں ہے تو

ترے فرشِ نیلو فری پہ کون سے بُرج کی کیش بڑھی

کہ پہرِ ہفت آئندہ میں رقصِ آنا ہی لکھا تھا ترے نئے

مرے نے نواز

قبائے ساز ترے فراق میں چاک ہے

دہ سکوت شہر سخن میں ہے  
کہ صدائے گریش بنم شب تار دل کو سنائی دے  
تہسہ ہفت جملہ نور ایک ہی خواب ہے  
کوئی معجزہ ہو کہ شکل تیری دکھائی دے :  
کوئی سلسہ ہو کہ راہ پھر سے بجھائی دے :

تیری خوشبو کا پتا کرتی ہے  
 مجھ پر احسان ہوا کرتی ہے  
 چوم کر پھول کو آہستہ سے  
 معجزہ باد صبا کرتی ہے  
 کھول کر بندِ قبا، گل کے، ہوا  
 آج خوشبو کو رہا کرتی ہے  
 ابر بر سے تو عنایت اُسکی  
 شاخ تو صرف دعا کرتی ہے  
 زندگی پھر سے فضا میں روشن  
 مشعل برگ حنا کرتی ہے  
 ہم نے دیکھی ہے وہ اعلیٰ عالم  
 رات جب شعر کہا کرتی ہے  
 شب کی تہائی میں اب تو اکثر  
 گفتگو تجوہ سے رہا کرتی ہے  
 دل کو اُس راہ پر چلنا ہی نہیں.  
 جو مجھے تجوہ سے جدآکرتی ہے  
 زندگی میری محنتی لیکن اب تو  
 تیرے کہنے میں رہا کرتی ہے

اُس نے دیکھا ہی نہیں ورنہ یہ آنکھ  
دل کا احوال کہا کرتی ہے

مصحفِ دل پر عجبِ نگوں میں  
ایک تصویر بنت کرتی ہے

بے نیازِ کفت دریا انگشت  
ریت پر نام لکھا کرتی ہے

دیکھ تو آن کے چہرہ میرا  
اک نظر بھی ترمی کیا کرتی ہے

زندگی بھر کی یہ تاخیسہ اپنی  
رنج ملنے کا سوا کرتی ہے

شام پڑتے ہی کسی شخص کی یاد  
کوچہ جاں میں صد اکرتی ہے

مسندِ جب بھی چرا غون کا اٹھا  
فیصلہ صرف ہوا کرتی ہے

## ق

مجھ سے بھی اس کا ہے یہاںی سلوک  
حال جو تیرا انا کرتی ہے

دکھ ہوا کرتا ہے پکھ اور بیان  
بات پکھ اور ہوا کرتی ہے

اک ہزار تھا، کمال تھا کیا تھا  
مجھ میں تیرا جمال تھا کیا تھا

تیرے جانے پہ اب کے کچھ نہ کہا  
دل میں ڈرتھا، ملال تھا کیا تھا

برق نے مجھ کو کر دیا روشن  
تیرا عکسِ جلال تھا کیا تھا

ہم تک آیا تو مہرِ بطف و کرم  
تیرا وقتِ زوال تھا کیا تھا

جس نے تھہ سے مجھ اپھال دیا  
ڈوبنے کا خیال تھا کیا تھا

جس پہ دل سائے عہدِ پھول گیا  
پھولنے کا سوال تھا کیا تھا

تسیار تھے ہم اور قضا کے پاس  
سرخ پھولوں کا جال تھا کیا تھا

# لے رنج بھری شام

دہنیزِ سماعت پہ کسی وعدے کی آہٹ  
اُترے کہ نہ اُترے

لے رنج بھری شام !  
دُکھتے ہوئے دل پر  
کوئی آہستہ سے آگر  
اک حرفِ تسلیٰ تو رکھے پھول کی مانند !

# ایک پہنچ

دہی موسم ہے  
بارش کی ہنسی  
پیڑوں میں چھن چھن گوجتی ہے  
ہری شفیں  
سنہری چھوٹ کے زیور پہن کر  
تصویر میں کسی کے مسکراتی ہیں  
ہوا کی اڈھنی کارنگ پھر ہلکا گلابی ہے  
شاسا بانغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ  
ہماری راہ تکتا ہے  
طلوع ماہ کی ساعت  
ہماری منتظر ہے۔

وہ کیسی بکھار کی زندگی تھی  
جو تیرے بغیر کٹ رہی تھی

اُس کو جب پہلی بار دیکھ  
میں تو حیران رہ گئی تھی

وہ چشم تھی سحر کا ربِ حسد  
اور مجھ پہ طسم کر رہی تھی

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو  
مجھ میں کسی رنگ کی کمی تھی

صحرائ کی طرح تھیں خشک آنکھیں  
باش کھیں دل میں ہو رہی تھی

آنُو مرے چوتا ہفت کوئی  
ذکھ کا حاصل یہی گھڑی تھی

شنستی ہوں کہ میرتے تذکرے پر  
بلکی سی اُس آنکھ میں نمی تھی

غربت کے بہت کڑے دنوں میں  
اُس دل نے مجھے پناہ دی تھی

سب گرد تھے اُس کے اور چمٹنے  
بس دُور سے اک نگاہ کی تھی

تیرے اجائے کیا کسی اور دیار بس گئے  
لے مرے ماہ نیم ماہ لوگ تجھے ترس گئے

تیرے کرم کی دھوپ تو خیر کے نصیب تھی  
تیرے ستم کے ابر بھی اور کہیں فرس گئے

تیری رضا کے سامنے اب ہمیں دیکھنا ہے کیا  
عشق کے امتحان میں ذہن کے پیش و پس گئے

ساری فضائے حرف صوت عطر مزاج ہو گئی  
بزم سخن سے ہو کے آج کیسے خانفس گئے

کیا انہیں میری خاک سے بوئے رفاقت آئی تھی  
اُس کی گلی میں دُور تک کیسے یہ خار و خس گئے

ہم نے ہی لوٹنے کا ارادہ نہیں کیا  
اُس نے بھی بھول جانے کا وعدہ نہیں کیا

دُکھ اور ہتھے نہیں کبھی جشن طرب میں ہم  
لبوسِ دل کو تن کا لبادہ نہیں کیا

جو غم ملا ہے بوجھ اٹھایا ہے اُس کا خود  
سر زیر بارِ ساغر و بادہ نہیں کیا

کارِ جہاں ہمیں بھی بہت تھے سفر کی شام  
اُس نے بھی التفات زیادہ نہیں کیا

آمد پہ تیر می عطر و چراغ و سبو نہ ہوں  
اتنا بھی بود و باش کو سادہ نہیں کیا

اس بار تو اپنے پاس تھے ہم  
پھر کس کے لئے آس تھے ہم

آن تھی ہمیں رفوگری بھی  
اک دُسرے کا بس تھے ہم

پھلے گئے جب بھی سر اٹھا یا  
فت پاتھ کی ایسی گھاس تھے ہم

منوع فتار پا گئے ہیں :  
جس بزم میں حرف خاص تھے ہم

جلتے رہے، ہر بوا کے آگے  
کیا جانیئے کس کی آس تھے ہم

کھلا ہے آج دل لالہ فرم کس کے لئے  
دُہ جا چکا ہے تو آئی ہے شام کس کے لئے

جو پھول کھلنے تھے دُہ راکھ ہو پکے بوس گے  
نیم صبح کو اب اذن عالم کس کے لئے

دُہ گل عذر نہیں ہو گا اب چمن آرا  
صبا کے ہاتھ سلام دپیم کس کے لئے

دُہ مے گار تو اے باد نوبہار گیا  
شراب سرخ سے بھرتی ہے جام کس کے لئے

بہت سے لوگ تھے مہجان میرے گھر یکن  
دُہ جانتا تھا کہ ہے اہتمام کس کے لئے

## ایک دُفناںی ہوئی آواز

پھولوں اور کتابوں سے آرائش گھر ہے  
تن کی ہر آسائش دینے والا سامنی  
اہنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والا بچہ  
لیکن اس آسائش، اس ٹھنڈک کے زنگ محل میں  
جہاں کہیں جاتی ہوں  
بنیادوں میں بے حد گہری چُنی ہوئی  
اک آواز برابر گریہ کرتی ہے  
مجھے نکالو !  
مجھے نکالو !

# مُراد

بھیڑیے !

میرے چاروں طرف بھیڑیے

آنکھیں، حلقوں سے باہر

زبانیں بھی نکلی ہوئی

دھونکنی کی طرح سانس پلتی ہوئی

میرے اطراف حلقة کئے

مری ایک لمحے کی غفلت کے پوں منتظر

جس طرح کوئی ماہر شکاری

دانہ و دام بھی

سنگ الزام بھی

جاہ و انعام بھی

جال حاضر ہے ہر شکل کا !

پر مرے گرد

ایسا الاؤ ہے روشن

کہ ہر حیله و مکر کے باوجود

یہ درندے

فاسدے کو نہانے پر مجبور ہیں

بھیڑیے آگ میں پاؤں رکھتے نہیں !

# شرط سے بھری آنکھیں

ستاروں کی طرح سے جگمگاتی ہیں  
شرط سے بھری آنکھیں !

مرے گھر میں اجala بھر گئیا  
تیری سہنسی کا  
یہ نختے ہاتھ جو گھر کی کوئی شے  
اب کسی ترتیب میں رہنے نہیں دیتے  
کوئی سامان آرائش نہیں اپنی جگہ پر اب  
کوئی کیاری سلامت ہے  
نہ کوئی پھول باقی  
یہ مٹی میں سے پاؤں  
جو میری خواب گہ کی دُدھیا چادر کا ایسا حال کرئے ہیں  
کہ کچھ لمجے گز نے پر بھی پہچانی نہیں جاتی  
مگر میری جبیں پر بل نہیں آتا

کبھی زنگوں کی پچپکاری سے  
سرتا پا بھگو دینا

کبھی چُنری چھپا دینا

کبھی آنا عقب سے

اور مری آنکھوں پہ دونوں ہاتھ رکھ کر

پُوچھنا تیرا

بھلا میں کون ہوں

بوجھیں تو جانوں :

میں تجھ سے کیا کہوں

تو کون ہے میرا

مرے نٹ کھٹ کنہیا !

مجھے تو علم ہے اتنا

کہ یہ بے نظم اور ناصاف گھر

میری توازن گر طبیعت پر

گراں بننے نہیں پاتا

اگر تو میرے آنگن میں نہ ہوتا

تو میرے خانہ آئینہ سامان میں

بہ ایس ترتیب و آرائش

اندھیرا ہی رہا کرتا !

# سفراب جتنا باتی ہے ....

بہت سردی ہے — ماما

ابھی کچھ دیر

میرا ہاتھ مت چھوڑیں !

زمستان کی ہوا سے کپکپتا

میرے یہنے سے لگا

تو کہہ رہا تھا :

زیادہ دن نہیں گذرے

کہ میری گود کی گرمی

تجھے آرام دیتی ملتی

گلے میں میرے بانہیں ڈال کر تو اس طرح سوتا

کہ اکثر ساری ساری رات میری

ایک کر دٹ میں گزر جاتی !

مرے دامن کو پکڑے

گھر میں تسلی کی طرح سے گھومتا پھرتا

مگر پھر جلد ہی تجھے کو

پرندوں اور پھولوں  
اور پھر تم جو لیوں کے پاس سے ایسا بلا دا آگیا کہ  
مری انگلی چھڑا کر  
تو ہجوم رنگ میں خوشبو کی صورت مل گیا تھا  
پھر اس کے بعد

خوابوں سے بھرا بستہ لئے  
اسکوں کی جانب روانہ ہو گیا تو

جہاں پر رنگ اور پھر حرف اور پھر بندے سے  
اور سو طرح کے کھیل تیرے منتظر تھے  
دل بھاتے تھے

ترے اُستاد مجھ سے معتبر تھے  
دوست مجھ سے خوب تر تھے

مجھے معلوم ہے

میں بجھ سے پچھے رہ گئی ہوں  
سفراب جنا باقی ہے

دہ بس پسپائی کا ہی رہ گیا ہے  
تری دنیا میں اب ہر پل  
نئے لوگوں کی آمد ہے

میں بے حد خامشی سے

ان کی جگہیں خالی کرتی جا رہی ہوں  
تر اپنے نکھر تا جا رہا ہے  
میں پس منظر میں ہوتی جا رہی ہوں !

زیادہ دن نہ گذریں گے  
مرے ہاتھوں کی یہ دسمی حرارت  
تجھے کافی نہیں ہوگی  
کوئی خوش لس دست یا سمیں آکر  
گلابی رنگ حدت  
تیرے ہاتھوں میں سمو دے گا  
مرا دل تجھ کو کھو دے گا  
میں باقی عمر  
پڑا ستہ تکتی رہوں گی  
میں ماں بُوں  
ادر مری فتحت جُدائی ہے !

# اپنے بیٹے کملتے ایک نظم

مرے پچے نے پہلی بار اٹھایا ہے قلم

اور پوچھتا ہے

کیا لکھوں ماما؟

میں تجوہ سے کیا کہوں بیٹے

کہ اب سے برسوں پہلے

یہ لمحہ جب مری ہستی میں آیا تھا

تو میرے باپ نے مجھ کو سکھائے تھے

مجبت، نیکی اور سچائی کے کلمے

مرے تو شے میں ان لفظوں کی ردی رکھ کے دہ سمجھاتا

میرا راستہ کٹ جائیگا

آگے سفر آسان ہو جائے گا شاید!

مجبت مجھ سے دنیا نے دصویں

قرض کی مانند

نیکی سود کی صورت میں

حاصل کی

مری سچائی کے بکے  
 ہوئے رد اس طرح سے  
 کہ میں فوراً سنبھلنے کی نہ گرتا دیر کرتی  
 تو سر پہ چھت نہ رہتی  
 تن پہ پیرا ہن نہیں بچتا  
 میں اپنے گھر میں رہ کر  
 عمر بھر جز یہ ادا کرتی رہتی ہوں !

زمانہ

میرے خدشوں سے سوا عیار تھا  
 اور زندگی  
 میری توقع سے زیادہ بے مردّت تھی  
 تعلق کے گھنے جنگل میں  
 بچھو سرسراتے تھے  
 مگر ہم اس کو صرشاری میں  
 فصل گل کی سرگوشی سمجھتے تھے  
 پستہ ہی کچھ نہ چلتا تھا  
 کہ خوابوں کی چھپر کھٹ پر  
 باسِ ریشمیں  
 کس وقت بن کر کیسپنچلی اترا

منا طب کے رو پہنے دانت  
کب بلے ہوئے

اور کان

کب پیچے مڑے

اور پاؤں

کب غائب ہوئے یکدم :

میں اس کذب وریا

اس بے لحاظی سے بھری دنیا میں رہ کر

محبت اور نیکی اور سچائی کا ورثہ

تجھ کو کیسے منتقل کر دوں

مجھے کیا دے دیا اس نے :

مگر میں ماں ہوں

اور اک ماں اگر مایوس ہو جائے

تو دنیا ختم ہو جائے

سو میرے خوش گماں نپھے !

تو اپنی لوح آئندہ پہ

سارے خوبصورت لفظ لکھنا

سد پسخ بونا

احسان کرنا  
پس ای ر بھی کرنا  
مگر آنکھیں کھلی رکھنا !

# چُدائی کی پہلی رات

آنکھ بوجل بے  
 مگر نیند نہیں آتی ہے  
 میری گردن میں حاصل تری با نہیں جو نہیں  
 کسی کروٹ بھی مجھے چین نہیں پڑتا ہے  
 سرد پڑتی ہوئی رات  
 مانگنے آئی ہے پھر مجھ سے  
 ترے زم بدن کی گرمی  
 اور دریچوں سے جھجکتی ہوئی آہستہ ہوا  
 کھوجتی ہے مرے غم خانے میں  
 تیری سانوں کی گلابی خوشبو !

میرا بستر ہی نہیں  
 دل بھی بہت خالی ہے  
 اک خلاہے کہ مری روح میں ہشت کی طرح اتراءے  
 تیرا نخاسا وجد  
 کیسے اُس نے مجھے مہر کھاتھا

ترے ہوئے ہوئے دنیا سے تعلق کی ضرورت ہی نہ ملتی  
 ساری دا بستگیاں تجھ سے بھیں  
 تو مری سو شرح بھی، تصویر بھی اور بولی بھی  
 میں تری ماں بھی تری دوست بھی، بھولی بھی  
 تیرے جانے پہ کھلا  
 لفظ ہی کوئی مجھے یاد نہیں  
 بات کرنا ہی مجھے بھول گیا !  
 تو مری رُوح کا حصہ تھا

مرے چاروں طرف  
 چاند کی طرح سے رقصان تھا مگر  
 کس قدر جلد تری ہستی نے  
 مرے اطراف میں سورج کی جگہ لے لی ہے  
 اب ترے گرد میں رقصندہ ہوں !

وقت کا فیصلہ تھا  
 ترے فردا کی رفاقت کے لئے  
 میرا امروز اکیلا رہ جائے  
 مرے نپتے، مرے لال  
 فرض تو مجھ کو نبھانا ہے مگر  
 دیکھ کہ کتنی اکیلی ہوں میں !

بیٹھی ہے بال کھو لے ہوئے میرے پاس شب  
آئی ہے کون شہر سے اتنی اُداس شب  
میں چپ رہی تورات نے بھی ہونٹ سی لئے  
میں اس کا پیر ہن ہوں تو میرا بس شب  
گھر جلد لوٹ کر بھی تو منظہ وہی رہا  
دیسی ہی سرد شام وہی نا پاس شب  
شاید کہ کل کی صبح قیامت ہی بن کے آئے  
اُتری ہے جسم و جان پہ بن کر ہر اس شب  
سُورج کو دیکھنے کا سلیقہ کہاں ہمیں!  
جب بھی نظر اٹھائی ، رہی آس پاس شب  
اے ماہ و مہر حُنّ ، ترے عہد میں کبھی  
دن ہی ہمیں خوش آئے نہ آئی ہے راس شب  
مَدت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی  
پھر جلدِ حیات میں آئی ہے خاص شب

نظر کے سامنے اک راستہ ضروری ہے  
بخشکتہ رہنے کا بھی سلسلہ ضروری ہے

مثال ابر و ہوا دل بہم رہیں لیکن  
محبتوں میں ذرا فاصلہ ضروری ہے

وہ خوب نہ ہے کہ سرث مگھر سے چلتے وقت  
گھی کا دُور تک جائزہ ضروری ہے

بے اس آنکھ کو بھی تیرے خواب کی اجرت  
چراغ کشہ کو اتنا صلح ضروری ہے

نجانے نیصلہ باقی کہ اختلاف رہے  
کنارِ متن کوئی حاشیہ ضروری ہے

تعلقات کے نامغیر حوالوں میں  
تمام عمر کا اک رابطہ ضروری ہے

اُب اور جینے کی صورت نظر نہیں آتی  
کسی طرف سے بھی اچھی خبر نہیں آتی

اُسی کے آس میں ہے دل کا جھرہ تاریک  
وہ روشنی جو کبھی میرے گھر نہیں آتی

وہ مہرباں ہے تو محرب ہم تک نہ رہے  
یہ دھوپ کیوں پس دیوار و در نہیں آتی

روزیات میں اب کونی ایسا موڑ نہیں  
کہ جس کے بعد تری رنگذر نہیں آتی

قبولیت کی ہے ساعت تو اسکو مانگ ہی لیں  
کہ یہ گھر تری کبھی بارِ دگر نہیں آتی

سرائے خانہ دُنیا میں شام ہوتی ہے  
مسافروں کو نوید سفر نہیں آتی



پھر ایک بار تجھی سے سوال کرنا ہے  
نگاہ میں ترا منصب بحال کرنا ہے

لہو سے پینچ دیا اور پھر یہ طے پایا  
اسی گلاب کو اب پامال کرنا ہے

اس ایک مرہم نوروز دمسِ تازہ سے  
پرانے زخموں کا بھی انڈمال کرنا ہے

یہ غم ہے اور ملا ہے کسی کے درستے ہمیں  
سو اس شجر کی بہت دیکھ بھال کرنا ہے

بھلاکے وہ ہمیں حیران ہے تو کیا کہ ابھی  
اسی طرح کا ہمیں بھی کمال کرنا ہے

مقتلِ وقت میں خاموش گواہی کی طرح  
دل بھی کام آیا ہے گنام سپاہی کی طرح

ایک لمحے کو زمانے نے رضا پوچھی تھتی  
گفتگو ہونے لگی ظل اہنی کی طرح

ظلہم سہنا بھی تو نظرالم کی حمایت ٹھہرا  
خاشی بھی تو ہونی پشت پتہی کی طرح

اس نے خوشبو سے کرایا تھا تعارف میرا  
اور پھر مجھ کو بکھیرا بھی ہوا ہی کی طرح

لکھم ایک دیا اور ہوا کی انتیم  
پھیلتی جائے مقدر کی سیاہی کی طرح

پھیلا ہوا ہے حدِ بصارت میں نور کیا  
مہتاب نے کیا مرے اندر ظہور کیا

خود پھول کی طرح مجھے کھلنے کا شوق تھا  
اب تیز ہے ہوا تو ہوا کا قصور کیا

اک نقشِ موجود آبِ رواں پر بنا ہوا  
ایلے ہنر پن کر سخن کا عنصر کیا

جب آمدِ ببار کا امکان بھی نہیں  
پھر نغمہ سنج ہوں گے فضا میں طیور کیا

ہر چیز فاصلے پر نظر آئی ہے مجھے  
اک شخص زندگی میں ہوا مجھ سے دور کیا

سب خیریت کا سُن کے پدن سرد پڑ گئے  
کس کو نہیں خبر کہ بے بین السطور کیا

تکریم زندگی سے بھی اب دستِ کش میں ہم  
اس سے زیادہ نذرِ گزاریں حضور کیا

چھاؤں بیج آئے ہیں یوں افس سے مجبور ہوئے  
وہ جو تقویمِ ثمر پہ یہاں مامور ہوئے

شعبہ رزق خدا نے جو رکھا اپنے پاس  
نائب اللہ بہت بد دل و رنجور ہوئے

دہی شداد، دہی جنتِ خاشک نہیں داد  
یوں ہی عظمتِ یک لحظہ پہ معذُور ہوئے

وہ رعونت ہے کہ لگتا ہے ازل سے ہیں یونہی  
نشہِ مندِ شہانہ سے مخمور ہوئے

اپنی تقویم میں اب منظرِ فردا تو نہیں  
عکسِ معزول سے کچھ اس طرح مسحور ہوئے

ہم وہ شہزادیہ بخت کہ دشمن کی بجائے  
اپنے شکر کے سبب شہر میں محصو ہوئے

اب تو بس خواب کی بیاکھی پہ چلتا ہو گا  
مُذتین ہو گیں اس آنکھ کو معذور ہوئے

# نٹاطِ غم

دسمبر کا کوئی نج بستہ دن تھا

میں یورپ کے نہایت دور افتدہ علاقے کی

کسی دیران طیاراں گاہ میں

بانکل اکیلی بیچ پر بیٹھی تھی

اعلان سفر کی منتظر تھی

جبکہ آنکھ شیشے کے اُدھر جاتی

اداسی سے گلے ملتی

مسلسل بر فیاری ہو رہی تھی !

اپانک میں نے اپنے سے مخاطب

بہت مانوس اک آواز دیکھی

"آپ کیسی ہیں ؟

اکیلی ہیں ؟

گھنے بالوں چمکتی بھور می آنکھوں

دلنشیں بالتوں سے پڑ

دُہ پر شش لڑکا کہاں ہے ؟  
آپ دونوں ساتھ کتنے اچھے لگتے تھے ! ”

مرے چہرے پر اک سایہ سالہ رایا محتاش یاد  
وہ آگے کچھ نہیں بولا :

میرا دل دکھ سے کیا بھر گیا تھا  
مگر تہہ میں خوشی کی لہر بھی بختی  
پڑانے لوگ ابھی بھوٹے نہیں ہم کو  
ہمیں بچھڑے ، اگرچہ  
آج سولہ سال تو ہونے کو آئے :

وہ ہم نہیں جنہیں سہنا یہ جبرا آ جاتا  
تری جُدی میں کس طرح صبر آ جاتا

فصیلیں توڑنے دیتے جواب کے اہل قفس  
تو اور طرح کا اعلان جبکہ آ جاتا

وہ فاصلہ تھا دعا اور مستجابی میں .  
کہ دھوپ مانگنے جاتے تو ابر آ جاتا

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا  
برا برا کا بھی ہوتا تو صبر آ جاتا

وزیر و شاہ بھی خسختاں سے نکلتے  
اگر گمان میں انگارِ قبر آ جاتا

اُس سے ملنا ہی نہیں، دل میں تہبیہ کر لیں  
دُہ خود آئے تو بہت سُرد رویہ کر لیں

ایک ہی بار یہ گھر را کھ ہو، جاں تو چھوٹے  
اگ کھم ہے تو ہوا اور مہیت کر لیں

کیا ضمانت ہے کہ دُہ چاند اُتر آئے گا  
تارِ مرغگان کو اگر عفتہ ثریا کر لیں

سن سُکھڑ جاتا ہے اب وقت کی ہمگامی میں  
جی میں آتا ہے کہ ہم پاؤں کو پہنیہ کر لیں

کوئی پوچھے کہ زبان کیا ہے تری تو پروئین  
وقت ایسا ہے کہ بہتر ہے تقیتہ کر لیں

# جبس بہت ہے

جبس بہت ہے

اٹکوں سے یوں آنچل گیئے کر کے ہم

دل پہ کب تک ہوا کریں

باغ کے در پہ قفل پڑا ہے

اور خوشبو کے ہاتھ بندھے ہیں

کے صدا دیں

لفظ سے معنی بچھڑپکے ہیں

لوگ پڑانے اُجرٹپکے ہیں

نا بینا قانون وطن میں جاری ہے

آنکھیں رکھنا

جرم قبیح ہے

قابل دست اندازی حاکم اعلیٰ ہے :

جبس بہت ہے :

# بہت دل چاہتا ہے

بہت دل چاہتا ہے  
 کسی دن غاصبوں کے نام لکھوں ایک کھلاختہ  
 لکھوں اس میں  
 کہ تم نے چور دروازے سے آگر  
 مرے گھر کا تقدس  
 جس طرح پامال کر کے  
 تو شہ خانے کو تصرف میں لیا ہے  
 تمہاری تربیت میں یہ روایہ  
 دشمنوں کے ساتھ بھی زیبا نہیں تھا!  
 کلام فتح میں بھی  
 یہ سخن شامل نہیں تھا!  
 یہاں تک بھی غنیمت تھا،  
 تمہارے پیش رو، بخت آزمائی میں  
 زرد سیم و جواہر تک نظر محدود رکھتے تھے  
 جوانوں کو تمہرے تلوار کرتے

مگر ماؤں کی چادر  
بیٹیوں کی مسکراہٹ  
اور بچوں کے کھلونوں سے  
تعرض کچھ نہ کرتے  
مگر تم نے تو حد کر دی  
نہ بیت المال ہی چھوڑا  
نہ بیوہ کی جمع پوچھی  
اور اب تم نے  
ہماری سوچ کو بھی  
راجدھانی کا کوئی حصہ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے  
ہمارے خواب کی عصمت پر نظریں ہیں !  
قلم کا چھیننا  
آسان نہیں ہے !  
یہ درویشوں کی بستی ہے  
دبے پاؤں بھی یاں آنے کی تم جرأت نہیں کرنا  
کرائے پر  
قصیدہ خواں اگر کچھ مل بھی جائیں تو  
قبیلے کے کسی سردار کی بیعت نہیں ملنی  
ہمارے آخری ساتھی کی تکمیل شہادت تک  
تمہیں نصرت نہیں ملنی !

# چلنج پیش

حاکم شہر کے ہر کارے نے  
آدمی رات کے سناٹے میں  
میرے گھر کے دروازے پر  
دستک دی ہے  
اور فرمان سنا تا ہے  
”آج کے بعد سے  
ملک سے باہر جانے کے سب رستے، خود پر بند سمجھنا  
تم نے غلط نظیمیں لکھی ہیں۔“

اے۔ ایس۔ آئی سے کیا شکوہ  
اُس نے اپنا ذہن کرائے پہنچے رکھا ہے  
وہ کیا جانے  
مٹی کی خوشبو کیا ہے  
ارض وطن کے رُخ سے بڑھ کر  
آنکھوں کی راحت کیا ہے  
حاکم وقت کی نظروں میں

میری وفاداری مشکوک ہی ہٹھری تو

مجھ کو کچھ پرواہ نہیں

جس مٹی نے مجھ کو جنم دیا ہے

میرے اندر شعر کے پھول کھلانے میں

وہ اس خوشبو سے واقف ہے

اس کو خبر ہے

فصلِ خزان کو فصلِ خزان کہنے کا مطلب

گلشن سے غداری نہیں ہے

اور اگر ایسا ہٹھرا تو

حاکم وقت کے ہر کارے

مجھ پر فردِ جرم لگائیں

فاک وطن کو حکم بنائیں !

# ستمبر ۱۹۸۶ء کے لئے ایک دعا

اے خدا!

میرے پیارے سپاہی کی تلوار میں زنگ لگنے لگتے  
اذانوں سے پہلے جو بیدار ہوتے تھے  
اب دن چڑھتے تک  
چھپر کھٹ سے نیچے اُترتے نہیں  
دھوپ اگر سخت ہو جائے  
بارش ذرا تیز ہو جائے تو  
یہ جو ان سال  
گھر سے بیکھلتے نہیں  
سرحدوں کے نگہداں اب کرسیوں کے طلبگار ہیں  
اپنے آف کے دربار میں  
جنہیں چشم و ابرو کی پیغم تلاوت میں مصروف ہیں  
سرخمیدہ ہیں  
ثانے بھی آگے کو بنکلے ہوئے  
بس نصابِ تمدن کی تکمیل میں منہج !  
میرا دل رو پڑا ہے

اے خدا !

میرے پیارے وطن پر یہ کیسی گھڑی ہے

تراشے ہوئے جسم

آنسشوں میں پڑے

اپنی رعنائیاں کھورہے ہیں

ذہن کی ساری کیسوئی مفقود ہے

اہلِ طبل و علم

اہلِ جاہ و حشمت بن رہے ہیں

اور اس بات پر

دیکھتی ہوں کہ مغزور ہیں !

اے خدا !

میرے پیارے سپاہی کو سرحد کا رسٹہ دکھا

عشقِ اموال و حُبِ مناصب سے باہر نکال

اس کے ہاتھوں میں

بھولی ہوئی تیغ پھر سے تھما !

صیاد تو امکان سفر کاٹ رہا ہے  
اندر سے بھی کوئی مرے پر کاٹ رہا ہے

اے چادر منصب، ترا شوق گلی تازہ  
شاعر کا ترے دستِ ہنر کاٹ رہا ہے

جس دن سے شمار اپنا پنهنہ گیروں میں ٹھہرا  
اس دن سے تو لگتا ہے کر گھر کاٹ رہا ہے

کس شخص کا دل میں نے دکھایا تھا کہ اب تک  
دُہ میری دعا دُن کا اثر کاٹ رہا ہے

قاتل کو کوئی قتل کے آداب سکھائے  
دستار کے ہوتے ہونے سر کاٹ رہا ہے

اگرچہ تجوہ سے بہت اختلاف بھی نہ ہوا  
مگر یہ دل تری جانبے صاف بھی نہ ہوا

تعاقبات کے برزخ میں ہی رکھا مجھ کو  
وہ میرے حق میں نہ تھا اور خلاف بھی نہ ہوا

عجیب تھا جرم محبت کہ جس پر دلنے مرے  
سزا بھی پائی نہیں اور معاف بھی نہ ہوا

ولادتوں میں کہاں نس سے سکیں گے وہ لوگ  
کہ جن سے کونے جفا کا طوان بھی نہ ہوا

عجیب نہیں ہے کہ دل پر جمی مسلی کافی  
بہت دنوں سے تو یہ حوض صاف بھی نہ ہوا

ہوئے دہر! ہمیں کس لئے بھاتی ہے  
ہمیں تو تجوہ سے کبھی اختلاف بھی نہ ہوا

رستے میں مل گیا تو شریک سفر نہ جان  
جو چھاؤں مہرباں ہو اُسے اپنا گھر نہ جان

تنها ہوں اس لئے نہیں جعل سے بھی مفر  
اے میرے خوش گماں مجھے اتنا نذر نہ جان

ممکن ہے باغ کو بھی نکلتی ہو گوئی راہ !  
اس شہر بے شجر کو بہت بے ثمر نہ جان

یاں اک محل تھا آگے زرد پیسم سے بنا  
اے خوش خرام : دل کو ہمارے کھنڈر نہ جان

دکھ سے بھری ہے لیک میسر تو ہے حیات  
اس رنج کے سفر کو بھی بارِ دگر نہ جان

اسی میں خوش ہوں مرا دکھ کوئی تو سہتا ہے  
چلی چلوں گل جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے

زمین دل یونہی شاداب تو نہیں اے دوست  
قریب میں کوئی دریا ضرور بہت ہے

گھنے درختوں کے گرنے پہ ماسوانے ہوا!  
عذابِ در بدراں اور کون سہت ہے

نجانے کون سا فقرہ کہاں وتم ہو جائے  
دلوں کا حال بھی اب کون کس سے کہتا ہے

مفتِ مژہ دل کہیں آبادیوں سے ہے باہر  
اور اس مکان میں جیسے کہ کوئی رہتا ہے

مرے بدن کو نی کھا گئی ہے اشکوں کی:  
بھری بھار میں کیا مکان ڈھست ہے

ثانےِ انجمن و تسبیح کوہکشاں کے لئے

یہ وہ زمیں ہے بنی متحی جو آسمان کے لئے

سفر کے باب میں کتنے عجیب لوگ ہیں ہم

کہاں کا قصد کیا چل پڑے کہاں کے لئے

ہوا کا زور کسی شب تو جا کے نٹے گا

بچانے رکھنا ہے کوئی دیا مکاں کے لئے

فضا میں دُھنڈ بہت بڑھ گئی ہے جب کوئی حشمت

ستارہ بننے لگی میرے بادباں کے لئے

شداب برق نہ زحمت کرے توجہ کی

بہت سی آگ میسر ہے آشیاں کے لئے

سفید پوشی دیوار و درنہ کھل جائے

بجھائیے ہیں چراغ اب تو میہاں کے لئے

فانہ اپنا کسی اور باب میں ہے رفتہ

بے اختیاب کسی اور داستان کے لئے

ہوا پہ لکھا ہوا حرف ہی سہی دنیا

تمام رنگ اسی نقش رائیگاں کے لئے

پکھ دیر میں تجھ سے کٹ گئی تھی  
محور سے زمین ہٹ گئی تھی

تجھ کو بھی نہ مل سکی ممکن  
میں اتنے دکھوں میں بٹ گئی تھی

شاید کہ ہمیں سنوار دیتی  
جو شب آ کر پلت گئی تھی

رستہ تھا دہی پہ بن تمہارے  
میں گرد میں کیسی آٹ گئی تھی

پت جھڑ کی گھڑی تھی اور شجر سے  
اک بیل عجب پٹ گئی تھی

یوں وحشتِ رخصت میں نہ اس دل کو رکھا جائے  
 جانا ہے کسی کو تو اچانک ہی چلا جائے  
 پیوند بکھاں تک لگیں اب خرقہ عنم کو  
 اس پوشش رُسوائی کو تبدل کیا جائے  
 اب بخیس گروں میں یہی آئین رفو ہے  
 جو زخم سیا جائے ادھورا ہی سیا جائے  
 اک چادرِ دلداری ہے اس طرح سے مجھ پر  
 تن ہے کہ اُبھتار ہے، سربے کہ کھلا جائے  
 سب کے لئے جاری ہے تو اے حُنِ جہانِ نیجیر  
 اس بار غریبوں سے بھی انصاف کیا جائے  
 یہی سرخ قب اتنے کہ مشکل میں صبا ہے  
 تز میں گلتاں کے لئے کس کو چُن جائے  
 سمجھوتہ ہے تو اشکِ ندامت سے رستم ہو  
 اعلانِ بغاوت ہے تو پھر خوں سے لکھا جائے  
 اے گردشِ دوران ترے احسان بہت یہیں  
 پکھ دیر ترے ساتھ بھی اب رقص کیا جائے

دنیا سے بے نیاز ہوں، اپنی ہوا میں ہوں  
جب تک میں تیرے دل کی محبت سزا میں ہوں

اک تختن اور میرے برابر دہ شاہزاد  
لگتا ہے آج رات میں شہرِ سبا میں ہوں

خوشبو کو رقص کرتے ہوئے دیکھنے لگی  
سحر بہار میں کہ طسمِ صبا میں ہوں

درنہ عنابرِ ماہ بھی کب مجھ کو چھو سکا  
آہستہ رو ہوئی ہوں کہ شہرِ نوا میں ہوں

جیسے کوئی عقب سے بلا تا ہے پار بار  
پچپن سے اک عجیب سراپِ صدا میں ہوں

اس دل کو جسے غم کی صفائت میں دے دیا  
اُس وقت سے کسی کے حصارِ دُعا میں ہوں

تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جہاں میں ہے

پھر موسمِ بہار مرے گستاخ میں ہے

اک خواب ہے کہ بارِ دگر دیکھتے ہیں ہم

دیکھی ہوئی سی روشنی سارے مکاں میں ہے

تابش میں اپنی صہر و مہہ و نجم سے سوا

جنگوں سی یہ زیں جو کفت آسمان میں ہے

اک شاخِ یاس میں بھی کل تک خرزان اثر

اور آج سارا باغ اُسی کی ابماں میں ہے

خوشبو کو ترک کر کے نہ لانے چمن میں رنگ

اتنی تو سو جھ بوجھ مرے با غباں میں ہے

شکر کی آنکھ مالِ غینمت پہ ہے لگی

سالاںِ فوج اور کسی امتحان میں ہے

ہر جا نثار یادِ دہانی میں منہمک

نیکی کا ہر حسابِ دلِ دوستاخ میں ہے

حیرت سے دیکھتا ہے سمندرِ مری طرف

کشتی میں کوئی بات بتے یا بادبائیں ہے

اُس کا بھی دھیان جن کی شب اے پاہ دوست

باقی ابھی جو تیر، عُند کی کھاں میں ہے

بیٹھے رہیں گے شام تک تیرے شیشہ گر

یہ جانتے ہوئے کہ خسارہ دکاں میں ہے

مند کے اتنے پاس نہ جائیں کہ پھر کھلے

وہ بے تعلقی جو مزاجِ شہاں میں ہے

درنہ یہ تیر دھوپ تو چھپتی ہمیں بھی ہے

ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تو سا باں میں ہے

# بہار اپنی بہار پر ہے

درخت اپنا باس تبدیل کر رہے ہیں  
 کہیں کسی شاخِ سبز کی اور ٹھنڈی پہ ملکی سنہری سی گوٹ لگ رہی ہے  
 کہیں کسی زرد زنگ پتی کا حاشیہ سرخ ہوا ہے  
 کہیں قبائلے شجرِ گلابی سی ہو گئی ہے  
 کہیں ہرے پیڑی زرد، نارنج چادریں اور ٹھنڈے لگے ہیں  
 کہیں فقط قرمزی سی اک روشنی درختوں پہ اپنا ہالہ کئے ہوئے ہے  
 کہیں پہ کنجی چمن شہابی دیوں کی نو سے دمک اٹھا ہے  
 کہیں پہ جیسے زمردیں شاخار پر عل کھل اٹھے ہیں  
 فضائیں یا قوت بہہ رہا ہے  
 ہوا کے رخار سرخ ہونے لگے ہیں  
 اک خوشگوار ٹھنڈک نے شہر کو بازوؤں میں اپنے سمیٹ کر  
 خوشِ دلی سے یوں پسایا کر لیا ہے  
 کہ صبح گلنار ہو گئی ہے :  
 تمام پیڑوں کے ہاتھ سے بچوں گرچکے ہیں  
 پر ایسا لگتا ہے

جیے جنگل میں آگیا رنگ ریز کوئی  
بڑی مہارت سے  
ایک اک پیڑ کی قبار نگئے میں مصروف ہو گیا ہے  
کہیں پہ شبنم کی آب ہے  
اور کہیں پہ ابر ق ہے دھوپ کی  
جس کی روشنی میں  
مرا چمن جھلما رہا ہے  
خزان کا چہرہ نکھار پر ہے  
اک اور منظر کے رنگ دبو کی  
بہار اپنی بہار پر ہے !

# شہزادی کا المیہ

محل کے نیچے  
 ہجوم عشق منتظر ہے  
 کہ خواب گہ کا صریحی پر دہ ذرا ہستے تو  
 سب اپنے اپنے شاخت نامے ہوا میں لہا میں  
 اور کہیں کہ  
 علیا حضرت !  
 ہمیں بھی پہچانئے  
 کہ ہم نے  
 خزان کی رُت میں  
 سیاہ اپریل کے ادائی میں  
 شام بے دارثی اترنے کی ساعت بے لحاظ میں  
 آپ کے گھرانے کو ماتمی ردا نذر کی تھی  
 جس کے کناروں پہ تارخوں سے اب تک  
 ہمارے ناموں کے حرفِ اول کشیدہ ہوں گے  
 جو خامشی سے کھلے سروں اور ننگے قدموں سے

پارہ نان و جر عذ آب لے کے  
اُس شام سمت مقتول گئی تھیں

وہ عورتیں ہمارے نکاح میں تھیں  
سوادِ شہرِ صبا میں

خوشبو کی واپسی کے لئے

وہ ہم تھے

جو مثلِ خاشاک در بدر تھے

شمالی یورپ کے دُور افتادہ یخ لدنے میں

تمام تر مرکزی نظام حرارت دنور و نعمتی میں

وہ ہم تھے جو

سخت اجنبیت کی بر فیباری میں جل رہے تھے

اور اپنے گھر بار، اپنی املاک، اپنے پیشوں سے دُور ہو کر

نئے وسیلوں سے رزق کی دوڑ میں تھے شامل

خمیری روٹی کی یاد میں

سینوچ چ پہ کرتے رہے گزارا

(یہ کارِ غالیچہ د جواہر تو صرف فرصت کا مشغد تھے)

جو لوگ گنام و سادہ دل تھے

سرشدِ موسم نہیں سمجھتے تھے

اور پیچے وطن میں رہ کر

ہمارے حصے کے دن  
 عقوبت کدوں میں تنہا گزارنے  
 اور ہمارے حصے کے کوڑے بھی  
 نوش جدن کرنے میں منبع تھے  
 (شرکت کا رسمی تو کوئی اصول ٹھہرا)  
 مباح ہو گا کہ ان کی قربانیوں کا بھی کچھ حساب ہو جائے  
 اور عطا ہو

انہیں بھی

دینار سرخ و رہوارِ مشکنگ داراضی سبزہ آفرین و  
 کلاہ زر تار و خلعت کا رچوب و دوشالہ  
 شاہ طوسی!

جہاں پنه !  
 یہ تو دیکھئے  
 آپ کے لئے  
 ترک ہم نے کیا کچھ کیا ہے اب تک  
 کہیں ترقی کا ایک زینہ  
 کہیں عنایاتِ خُروی کا کوئی دسیدہ  
 کہیں کوئی منفعت اثر رشتہ سیاست  
 کہیں کوئی سیم رنگ شملہ

کہیں کوئی زرنگار طرہ  
اور ان سے بڑھ کر  
وطن کی خوشبو، وطن کی گرمی !

ہمائے ایشار کے تناسب سے  
اب صلے کی نوید پہنچے  
کسی دیا رغزال حشمماں دُکل عذاراں میں ہم کو تفویض ہو مفار  
مناصب مال و فصل و املاک کی وزارت  
نہیں تو باب مشاورت ہی کھلے کسی پر  
جو یہ نہیں تو  
کسی علاقے کی صوبہ داری  
کسی ریاست میں منصب چار دہ ہزاری  
بکار خاص افسروں کی لمبی قطار ہی میں کوئی جگہ دیں  
ہمیں صلہ دیں !

کسی طرح قرب تاج و دربار کی فضیلت ہمیں عطا ہو  
حضور کی بارگاہ جود و سنما میں  
حاضر جو ہونا چاہیں  
تو کوئی درباں ہمیں نہ روکے  
تو کوئی حاجب، مقرب خاص ہمیں نہ ٹوکے  
غلام گردش میں مثلِ موجود صباگز نے کی ہو اجازت !

یہ کیا کہ

ہم سے بہت کہیں بعد آنے والے تو راج رتھ میں اڑے پھریں  
اور ہم فقط گرد راہ دیکھیں !

ہمیں صلہ دیں :

عرفیوں اور عرضیوں کے طوفان بے پنه میں  
گھری ہوئی ایک شاہزادی  
کبھی کبھی سوچتی تو ہو گی  
کہ اپنی چھوٹی سی سلطنت کو  
جو پہلے ہی دشمنوں کی آنکھوں میں خاربن کر کھٹک ہی ہے،  
خود اپنی پیاری سپاہ سے کس طرح بچائے !

سیر دنیا کرے دل، باغ کا در تو کھوئے  
یہ پرندہ کبھی پرواز کو پر تو کھوئے

میں تو ماعمر ترے شہر میں رکت چاہوں  
کوئی آکر مرا اسباب سفر تو کھوئے

خود مجھی جنگل کو مجھے کاٹن آجائے گا  
پر وہ شہزادہ مری نیند کا در تو کھوئے

پھول پھٹتیز مہک والے بھی اس بار کھلیں،  
آکے برسات مرا زخم جگر تو کھوئے

کتنی آنکھیں ہیں جو بھولی نہیں شب پیاںی  
بانوئے شہر مگر لطف کا در تو کھوئے

شہر کے سارے معتبر آخُر اُسی طرف ہوئے  
جانبِ شکرِ عدو، دوست بھی صف بصف ہوئے

جال سے گزر گئے مگر بھید نہیں کھلا کہ ہم  
کس کی شکار گاہ تھے کس کیلئے ہدف ہوئے

مشہدِ عشق کے قریب صبح کوئی نہیں ملا  
وہ بھی کہ جن کے ضامنی اہل قم و نجف ہوئے

اب تو فقط قیاس سے راہ نکالی جائے گی  
جن میں تھیں کچھ بشارتیں خواب تو وہ تلف ہوئے

خانہ بے چراغ بھی سب کی نظر میں آ گیا  
تیرے قیام کے طفیل ہم بھی تو باشرفت ہوئے

زندگی کی دھوپ میں اس سر پہ اک چادر تو ہے  
 لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اپنا گھر تو ہے  
 جو بھی آئے گا یہاں دستک تو ہے کر آئے گا  
 اک حصہ دیوار تو ہے اک حصہ در تو ہے  
 یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنی جنگ میں تہبا نہیں  
 کارزارِ زندگی میں میرا اک شکر تو ہے  
 کون ہے اب تک عناصر کو بسم رکھے ہوئے  
 موسیم بے چہرگی میں کوئی صورت گر تو ہے  
 گھر سے بخلی تو خبر بن جانے گی آپس کی بات  
 جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے  
 اک جھڈک اُس کے ارادوں کی یہاں بھی دیکھ لی  
 یں صلے کے باب میں گو عرصہ محشر تو ہے  
 سانحہ دونیم ہونے کا پڑانا تو نہیں !  
 اور دلوں میں بھی ابھی تاریخ کا کچھ ڈر تو ہے  
 دھونڈ لے گا پھر انق کھوئی ہوئی برواز کا  
 دیکھنے میں آج یہ طریقہ شکستہ پر تو ہے  
 آسمان سبز گوں پر ایک تارہ ایک چاند  
 دسترس میں کچھ نہ ہو یہ خوشنما منظر تو ہے

ہولے تازہ میں پھر جسم و جان بسانے کا  
دریچپہ کھولیں کہ ہے وقت اُس کے آنے کا

بلاتا ہے مجھے اور پھر نظر نہیں آتا  
یہ خواب زاد ہے کردار کس فنانے کا

کبھی کبھی وہ ہمیں بے سبب بھی ملتا ہے  
اثر ہوا نہیں ہے اُس پر ابھی زمانے کا

ابھی میں ایک محاذ دگر پہ اُبھی ہوں  
چنا ہے وقت یہ کیا مجھ کو آزمانے کا

کچھ اس طرح کا پُر اسرار ہے ترا ہجھے  
کہ جیسے راز کُش ہو کسی خزانے کا

دُعا یہ کی ہی نہیں تو مرا مقدر ہو  
ہوا کی طرح مگر سن سبھ میسر ہو

اسی طرح رہیں گردش میں میرے شام دھر  
تو ہی مدام مرہی زندگی کا محور ہو

سپہرِ عمر میں جس وقت شام ہو جائے  
کوئی چراغ جلانے کو گھر کے اندر ہو

کوئی بتائے کہ جشنِ بہار کیسے منائے  
اک ایسی بیل جو صحنِ چمن کے باہر ہو

کبھی کبھی تو دلِ مضطرب یہ چاہتا ہے  
کہ چاند رات ہو اور سامنے سمندر ہو

یہ دل میسرِ موجود سے بہلتا نہیں  
کوئی تو ہو جو مری دسترس سے باہر ہو

راہِ دشوار کی جو دھول نہیں ہو سکتے  
ان کے ہاتھوں میں کبھی بچوں نہیں ہو سکتے

تیرے معیار پر پورے نہ اترنے والے  
منصبِ عشق سے معرضِ دل نہیں ہو سکتے

اتا خوں ہے مرگلش میں کہ اب میرے خلا  
پڑھو جائیں مگر بچوں نہیں ہو سکتے

حاکم شہر کے اطراف وہ پھرہ ہے کہ اب  
شہر کے دکھاں سے موصول نہیں ہو سکتے

فیصلے جن سے ہو دا بستہ وطن کی قسمت  
صرف اندازدیں پر محمول نہیں ہو سکتے

خون پینیے کو یہاں کوئی بلا آتی ہے  
قتل تو روز کا معمول نہیں ہو سکتے

جُنہشِ ابرُوئے شاہاں نہ سمجھنے والے  
کسی دربار میں مقبول نہیں ہو سکتے

زندگی بے سائبان بے گھر کہیں ایسی نہ تھی  
اسماں ایسا نہیں تھا اور زمیں ایسی نہ تھی

ہم بچھڑنے سے ہوئے گمراہ ورنہ اس سے قبل  
میرا دامن تر نہ تھا تیری جیسی ایسی نہ تھی

اب جو بدلا ہے تو اپنی رُوح تک حیران ہوں  
تیری جانب سے میں شاید بے یقین ایسی نہ تھی

بدگمانی جب نہ تھی، تو بھی نہیں بھت معتبر ض  
میں بھی تیری شخصیت پر نکتہ چیں ایسی نہ تھی

کیا مرے دل اور کیا آنکھوں کا حصہ ہے مگر  
چادرِ شب اس سے پہلے شب نہیں ایسی نہ تھی

کیا ہوا آئی کہ اتنے بچوں دل میں کھل گئے  
پچھلے موسم میں یہ شاخ یا سمیں ایسی نہ تھی

ہوا کے ہوتے ہوئے روشنی تو کر جائے  
مری طرح سے کوئی زندگی تو کر جائے

تم عمر تاسف میں ہی بسر ہو گی  
تری طرف سے نظر بے رخی تو کر جائے

چراغِ دل تہہ محرب جان نہ چھوڑے گی  
ہوا کے ساتھ کوئی دشمنی تو کر جائے

پھر اس کے بعد جہاں میں کہیں پناہ نہیں  
ترے حضور یہ جا سرکشی تو کر جائے

وہ دشمنی کے بھی قابل نہ مجھ کو چھوڑے گا  
اس س آدمی سے یہ دل دوستی تو کر جائے

ہر ذرہ جیسے آئندہ برداشت ہو گیا  
یہ کون تھا جو خاک میں روپوش ہو گیا

اس شمش میں ہم نے ہی کھینچا وفات سے ہاتھ  
بار جفا سے کوئی سبک دش ہو گیا

اک دل اور اُس پہ اتنا بحومِ غم و الم  
اپنا ہوا کہ زود فراموش ہو گیا

اوازِ احتجاج ہی مدھم تھی یا کہ پھر  
وہ سور تھا کہ شہر گران گوش ہو گیا

اک شخص کیا گیا کہ بھرا شہر دفعت  
بلے حوصلہ و بدال و کم کوش ہو گیا

تو انقا ب رنگ میں مصروف اور ادھر

کوئی ترے جنوں میں سیہ پوش ہو گیا

اک شخص ٹوکتا تھا بہت اہل شہر کو  
مزدہ کہ آج رات وہ خاموش ہو گیا

حلقه در حلقة برانے پندو و عط آنے لگے  
تیرے کوچے میں گئے اور لوگ سمجھانے لگے  
عکس بے منظر سے دل تکین سی پانے لگے  
دھوپ میں جیسے کوئی آئینہ چمکانے لگے

باغ اور ابر بہار اور رات اور خوشبوئے دست  
ایک خواہش سو طرح کے رنگ دکھلانے لگے  
اتنی خاموشی بھی گرد و پیش میں طاری نہ ہو  
دل دھڑکنے کی صدا کا نوں میں صاف آنے لگے

زرد ہوتا جا رہا ہے صحنِ دل کا ہر شجر  
جس طرح اندر ہی اندر دکھ کوئی کھانے لگے

تیری دنیا سے بخل جاؤں میں خاموشی کے ساتھ  
قبل اس کے تو مے سائے سے کترانے لگے

پیش آثار قدیمہ رک گئے میرے قدم  
شہر کے دیوار و در کچھ جانے پہچانے لگے

دل کی بُر بادی کا کوئی سلسلہ پہلے سے تھا  
اس چراغ شب پر الطاف ہوا پہلے سے تھا

اُس کے یوں ترکِ محبت کا سبب ہو گا کوئی  
جی نہیں یہ مانستادہ بُرے دفا پہلے سے تھا

دونوں اپنی زندگی کے جھپٹی میں ہیں مگر  
اس طرح ہلنا مقدر میں لکھا پہلے سے تھا

اُب تو زخم دل نمکِ خوارِ توجہ ہے ترا  
نام پر جاری ترے حرفِ دعا پہلے سے تھا

راستہ بھولا نہیں اُب کے پرندِ خوش خبر  
اور کچھ اُجھڑا ہوا شہر سبا پہلے سے تھا

تیرے آنے سے تو بس زنجیر ہی بدالی گئی  
ہم اسی روں پر جفا کا باب وا پہلے سے تھا

اُسی دن گھر نہیں آتا کہ جب آنے کو کہتا ہے  
مگر کیا روٹھنا اُس سے وہ اپنی دُن میں رہتا ہے

مداراتِ الم میں وہ نہیں شرکت کا پکھوتا مل  
نہ اپنے دکھ بتاتا ہے نہ میرے رنج سہتا ہے

لب خاموش، چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھکو  
جو بارش دل میں ہوتی ہے جو دریا دل میں بہتا ہے

° مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے اور دکھ تک نہیں ہوتا  
مرے اندر ترے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے

خیال یار ابھی روشن، ابھی نظروں سے اوچل ہے  
ابھی یہ رشیمیں دریا پہاڑوں میں ہی بہتا ہے

چارہ سازوں کی اذیت نہیں دیکھی جاتی  
تیرے بیمار کی حالت نہیں دیکھی جاتی

دینے والے کی مشیت پہ ہے سب کچھ موقوف  
مانگنے والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

دن بہل جاتا ہے میکن ترے دیوانوں کی  
شام ہوتی ہے تو وحشت نہیں دیکھی جاتی

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے میکن  
ہم سے ان آنکھوں کی حرست نہیں دیکھی جاتی

کون اُترا ہے یہ آفناق کی پہتا لی میں  
آہئۂ خانے کی حیرت نہیں دیکھی جاتی

جُزِ غُب بِرَاهِ پچھے پیش نظر رکھا نہیں  
ہم نے اپنے ساتھ اساب سفر رکھا نہیں

ایک کوڑہ، اک عصما، اک خرقہ گل کے سوا  
ہم فقیروں نے کسی نعمت کو گھر رکھا نہیں

ایک بار اُس نے مرے عیبوں پہ پردہ رکھ لیا  
اس رعایت کو مگر بار دگر رکھا نہیں

رات تھے گھر پر چراغ اور عطر اُس کے منتظر  
پاؤں تک لیکن ہوانے بام پر رکھا نہیں

جنگلوں میں شام اُتری خون میں ذات قدیم  
دل نے اُس کے بعد انہوںی کا ڈر رکھا نہیں

پہنچے جو سر عرش تو نادار بہت تھے  
 دُنیا کی محبت میں گرفتار بہت تھے  
 گھر ڈوب گیا اور انہیں آواز نہیں دی  
 حالانکہ مرے سلسلے اُس پار بہت تھے  
 پھت پڑنے کا وقت آیا تو کوئی نہیں آیا  
 دیوار گرانے کو رضا کار بہت تھے  
 گھر تیرا دکھانی تو دیا دُور سے لیکن  
 رستے تری بتی کے پُر اسرار بہت تھے  
 ہنستی ہوئی آنکھوں کا نگر کہتے رہے ہم  
 جس شہر میں نوحے پس دیوار بہت تھے  
 یہ بے رُخی اک روز تو مقصوم محتی اپنی  
 ہم تیری توجہ کے طلبگار بہت تھے  
 آنسش دُنیا کا فسou اپنی جگہ ہے  
 اس کے میں مگر روح کے آزار بہت تھے

وقت ہوتا کہ مرا بخت عنان گیز سو ہے  
تجھ سے ملنے میں یونہی ہونی تھی تاخیز سو ہے

ہم ہی اس بار تپ غم سے نہ بچنے پائے  
وہ جو ہوتی تھی ترے ہاتھ میں تاثیر سو ہے

اتنی دشوار نہیں تھی گرہ عنم کی کشود  
بلے ہنر ہی تھا مرا ناخن تدبیز سو ہے

رم بہت تجھ میں ہے یکن مرے خوابوں کے غزال  
دل کو ہونا تھا ترے پاؤں کی زنجیر سو ہے

یہ ستاروں کی سفارش بھی اگر لے آتی  
یہی بکھر تھی مرے خوابوں کی تبعیز سو ہے

موجہ گل کو ہم آواز نہیں کر سکتے  
دن ترے نام سے آغاز نہیں کر سکتے

اس چمن زار میں ہم سبزہ بیگانہ سہی  
آپ ہم کو نظر انداز نہیں کر سکتے

عشق کرنا ہے تو پھر سارا اثناء لا یں  
اس میں تو کچھ بھی پس انداز نہیں کر سکتے

ذکر پہنچتا ہے بہت دل کو روئے سے ترے  
اور مدارا ترے الفاظ نہیں کر سکتے

عشق میں یہ بھی کھلا ہے کہ اُہانا عنم کا  
کارِ دشوار ہے اور بعض نہیں کر سکتے

# لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی

اک عمر کے بعد اس کو دیکھا!

آنکھوں میں سوال تھے ہزاروں  
ہونٹوں پہ مگر دہی تبسم:  
چہرے پہ لکھی ہوئی اُداسی  
لبخ میں مگر بلا کا مٹھراو  
آواز میں گو بختی جُداں  
بانہیں تھیں مگر وصال سامان:

سمٹی ہوئی اس کے بازوؤں میں  
تا دیر میں سوچتی رہی تھی  
کس ابر گریز پا کی خاطر  
میں کیسے شجر سے کٹ گئی تھی  
کس چھاؤں کو ترک کر دیا تھا

میں اُس کے گلے لگی ہوئی تھی  
وہ پُونچھ رہا تھا مرے آنسو  
لیکن بڑی دیر ہو چکی تھی!

# GOOD TO SEE YOU

بہت دنوں کے بعد اُسے  
اک محفل میں دیکھا تھا  
اک لمحے کو، ہجرو وصال کے سارے موسم  
آنکھوں میں لہرا سے گئے  
دل میں چراغ سے جل اٹھے  
اس سے گلے ملنے کے تصور سے ہی  
جیسے سارا وجود  
پھول کی صورت کھل اٹھا  
ان ہاتھوں کے لمس کو سوچ کے  
سارا جسم سُلگ اٹھا  
اُن ہونٹوں کی گرم گلابی نرمی کا خوش رنگ خیال  
ہونٹوں پر مسکرا اٹھا !

حلقة یاراں سے آخر  
پل بھر کو فرصت پا کر

میری طرف وہ آیا بھی  
میری جانب دیکھا بھی  
پر جو کہا تو اتنا کہا  
آپ سے مل کر خوشی ہوئی  
میرے صحنِ دل میں اچانک ہونے والی  
پت جھڑ سے میسر لاعلم !

# ایک منظر

کچا سا اک مکان، کہیں آبادیوں سے دُور  
 چھوٹا سا ایک جگہ، فرازِ مکان پر  
 بنے سے جھانکتی ہوئی کھپر میں الی چھت  
 دیوار چوب پر کوئی موسم کی سبز بیل  
 اُتری ہوئی پہاڑ پہ برسات کی دہرات  
 کمرے میں لائیں کی ہلکی سی روشنی  
 دادی میں گھومتا ہوا اک چشمہ شیر  
 کھڑکی کو چھو متا ہوا بارش کا جلت نگ  
 سانسوں میں گونجتا ہوا اک ان کہی کا بھید :

# اُس نے پھول بھیجے ہیں

اُس نے پھول بھیجے ہیں  
 پھر مری عیادت کو  
 ایک ایک پتی میں  
 ان ببوں کی نرمی ہے  
 ان جمیل ہاتھوں کی  
 خوشگوار حدت ہے  
 ان لطیف سانوں کی  
 دلنواز خوشبو ہے

دل میں پھول کھلتے ہیں  
 رُوح میں چراگاہ ہے  
 زندگی معطر ہے !

پھر بھی دل یہ کہتا ہے  
 بات کچھ بن لیتا  
 وقت کے خزانے سے  
 ایک پل چُرد़ا لیتا  
 کاشش وہ خود آ جاتا !

## HOT LINE

اُس کو مجھ سے کتنا گلہ تھا  
میرے اور تمہارے یعنی  
اتنے لوگ آ جاتے ہیں  
بات نہیں ہو سکتی ہے

موسم کی پہلی بارش میں  
رُت کی پہلی برفوں میں  
پورے چاند کی راتوں میں  
شام کی مَدھم خوشبو میں  
صبح کی نیلی ٹھنڈک میں  
کتنا بے بس ہوتا ہوں  
دل کتنا دُکھ جاتا ہے؟

آج مرے اور اس کے یعنی  
کوئی تیسا فرد نہیں ہے  
ہاتھ کی اک ہلکی جنیش سے

مجھ سے رابطہ ہو سکتا ہے  
لیکن وہ آواز نہیں  
سکتے موسم بیت گئے  
میرے لئے بھی اُس کو پکارنا  
اتس مشکل نہیں رہا  
لیکن سچی بات یہ ہے  
لہجوں اور آوازوں کے  
دیلے رنگ نہیں ہیں اب  
ڈھن تو وہی ہے لیکن دل  
ہم آہنگ نہیں ہیں اب!

# VANITY THY NAME IS .....

بہت سادہ ہے وہ  
 اور اُس کی دُنیا، میری دُنیا سے سرا سر مختلف ہے  
 الگ ہیں خواب اُس کے  
 زندگی میں اُس کی ترجیحات ہی اور کچھ لگتی ہیں  
 بہت کم بولتا ہے وہ  
 مجھے اُس نے لکھا ہے  
 آج کی صبح  
 میں نے اپنے لان میں کچھ خوبصورت پھول دیکھے  
 مجھے بے ساختہ یاد آگئیں تم !

مجھے معلوم ہے  
 میں عمر کے اُس ملکجھے حصے میں ہوں  
 جب میرا چہرہ  
 کسی بھی پھول سے قربت نہیں رکھتا  
 مگر جی چاہتا ہے  
 اس کی باتوں پر  
 ذرا سی دیر کو ایمان لے آؤں !

دل کو مہر دہ دن خیم کے قریں رکھنا ہے  
اس مسافر کو مگر خاک نشین رکھنا ہے

سہبہ لیا بوجہ بہت کونہ دچوب دگل کا  
اب یہ اسباب سفر ہم کو کہیں رکھنا ہے

ایک سیلاپ سے ٹوٹا ہے ابھی ظلم کا بند  
ایک طوفان کو ابھی زیر زمیں رکھنا ہے

رات ہر چند کہ سازش کی طرح ہے گہرے  
صح ہونے کا مگر دل میں یقین رکھنا ہے

دزد نے پوری طرح کی نہیں تہذیب اس کی  
ابھی اس دل کو تراحلہ نشین رکھنا ہے

جب کبھی خوبی فرمت سے بجھے دیکھتے ہیں  
آئینہ خانے کی حیرت سے بجھے دیکھتے ہیں

وہ جو پامال زمانہ ہیں مرے تخت نشیں  
دیکھ تو کیسی محبت سے بجھے دیکھتے ہیں

کاٹے دید میں بس ایک جدک کا سکنا  
ہم فقیروں کی قناعت سے بجھے دیکھتے ہیں

تیرے کوچے میں پلے جاتے ہیں قاصد بن کر  
اور اکثر اسی صورت سے بجھے دیکھتے ہیں

تیرے جانے کا خیال آتا ہے گھر سے جس دم  
در و دیوار کی حسرت سے بجھے دیکھتے ہیں

کہہ گئی بادِ صبا آج ترے کان میں کیا  
پھول کس درجہ شرارت سے بجھے دیکھتے ہیں

بجھ کو کیا علم بجھے ہارنے والے کچھ لوگ  
کس قدر سخت ندامت سے بجھے دیکھتے ہیں

امیدِ معجزہ یک نظر پہ زندہ ہیں  
طبیبِ شہرِ ذعا کے اثر پہ زندہ ہیں

ہم ابل حاجت دار بابِ احتیاج تو کیا  
نقیہہ شہر بھی اب ختبِ زر پہ زندہ ہیں

یہ اور بات کہ حاکم تھے بیشتر ناہسل  
ہم ایسے لوگ تو صرف نظر پہ زندہ ہیں  
خدا کرے کہ ہوا کو ابھی پستہ نہ چلے  
کہ کچھ چراغ مرے با مودر پہ زندہ ہیں

رو دفایں ابھی ہیں کچھ ایسے لوگ کہ جو  
سفر سے بڑھ کے خیالِ سفر پہ زندہ ہیں  
عطای ہوئی جنہیں دربار سے کبھی خلعت  
خیال بخشش بار بُگر پہ زندہ ہیں

گلابی پھول دل میں کھل پکے تھے  
ہم اس موسم میں تجھ سے مل پکے تھے

توجہ سے تری پھر کھل بے ہیں  
وگرنہ جنم تو یہ ہل پکے تھے

ستون کتنا سہارا ان کو دیتے  
جو گھر بُنیاد سے ہی ہل پکے تھے

پُرانی اجنبیت لوٹ آئی  
ہم ان سے اور وہ ہم سے مل پکے تھے

تروتازہ بھتی جاں راہ جنوں میں  
اگرچہ پاؤں اپنے پھل پکے تھے

# تمہاری زندگی میں

تمہاری زندگی میں  
میں کہاں پر ہوں؟

ہواۓ صح میں  
یا شام کے پہلے ستارے میں  
جھجھکتی بوندا باندی میں  
کہ بے حد تیز بارش میں  
روپہلی چاندنی میں  
یا کہ پھر تیتی دوپھروں میں  
بہت گھرے خیالوں میں  
کہ بے حد سرسری دھن میں  
تمہاری زندگی میں  
میں کہاں پر ہوں؟

ہجومِ کار سے گھبرا کے  
ساحل کے کنارے پر

کسی دیک اینڈ کا وقہ  
کر گرٹ کے تسل میں  
تمہاری انگلیوں کے بیچ  
آنے والی کوئی بے ارادہ رشی میں فرست ؟  
کہ جام سُرخ سے  
یکسر تھی  
اور پھر سے  
بھر جانے کا خوش آداب لمحہ  
کہ اک خوابِ محبت ٹوٹنے  
اور دوسرا آغاز ہونے کے  
کہیں ماہین اک بے نام لمحے کی فراغت ؟

تمہاری زندگی میں  
میں کہاں پڑھوں ؟

# ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا .....

ہمارے درمیاں ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا  
 ترے شانوں پہ کوئی چھت نہیں بھی  
 مرے ذمے کوئی آنگن نہیں تھا  
 کوئی وعدہ تری زنجیر پابند نہیں پایا  
 کسی اقرار نے میری کلانی کو نہیں تھا ما  
 ہواۓ دشت کی مانند  
 تو آزاد تھا

rstے تری مرضی کے تابع تھے  
 مجھے بھی اپنی تہبائی پہ  
 دیکھا جائے تو  
 پورا تصرف تھا !

مگر جب آج تو نے  
 راستہ بدلا  
 تو کچھ ایسا لگا مجھ کو  
 کہ جیسے تو نے مجھ سے بلے و فانی کی !

# نیاگرہ فالز

فرازِ کوہ سے گرتی ہوئی سیال چاند می  
 نگارِ زندگی کا خواب سیمیں  
 طسمِ آب میں عکسِ سپہر لا جور دی دم بخود ہے  
 فونِ رنگ میں ڈوبی زمین آنسو سی ہفت پیکر ہو گئی ہے  
 خمِ محرابِ کوہ ارغوانی پر  
 روپہلی مسکراہٹ ہے  
 نگاہیں حُن کی دہشت میں گم ہیں  
 شکوہِ آب نے جیسے کہ نظریں باندھ دی ہیں  
 روپہلی روشنی کرتی ابا۔ سیمیں  
 ستارہ دار جیسے  
 قویں آب نیمیں کے گرد چکڑ کاٹتی ہیں  
 عجب آداز ہے یہ  
 اور عجب ہیں رنگ اس کے  
 عجب وقت سے یہ اپنی طرف مجھ کو بلا تے ہیں  
 لہو میں رقص کرتی جا رہی ہے وحشت پیغم  
 دیں وحشت بطرزِ آہ ہونے دیوانہ می رقصم  
 کہ آب آتش شد و من صورت پر دانہ می رقصم

# ولیٹ مسٹر ایبے

قدم نہیں اٹھتے ہیں  
 جانے کس کے سر پہ  
 کس کے دل پر  
 پاؤں پڑ جائے  
 یہاں اس مُختلطے فرش کے نیچے  
 گرمی خواب سے جلنے والی  
 کتنی آنکھیں خوابیدہ ہیں  
 کتنے کشیدہ سر، اب کیسے خمیدہ ہیں  
 وہ جو دنیاوی فرہنگ میں  
 خوبش طالع کہلاتے تھے  
 جن کے بخت کا تارہ  
 وقت کے ماتھے پر کچھ ایسے چمکا  
 جیسے کبھی عزدب نہ ہو گا  
 جن کی فنکرنے  
 ایک بجوم کا دھارا موڑا تھا

کوئی وقت، کوئی حرکت اور کوئی مقام سے آگے تھا  
دو شلیشوں کا ٹکراو !

عزتِ نفس کا پرچم آ کر کسی ہوا میں لہرا�ا تھا  
خاموشی کی اک اپنی آداز ہے لیکن  
حد سے بڑھے تو  
ستاظما بھی بول اٹھا ہے !

گر جا کے اس سحر زدہ سے نیم دھنڈ کے میں  
دیواروں پر بنی ہوئی تصویریں زندہ لگتی ہیں  
خندہ استہزا سے مجھ کو دیکھتی ہیں  
لڑکی ! تو کس زغم میں ہے  
شعر تو ہم بھی لکھتے تھے  
ہم بھی آگ سے خاک ہونے  
کل تو بھی مٹی میں مٹی ہو جائے گی  
لیکن ہم میں اور تجھ میں اک فرق رہے گا  
تیرے نام کا تارہ بھی  
تیرمی طرح بجھ جائے گا !

جانے کب تک رہے یہی ترتیب  
دستارے کھلے قریب قریب

چاند کی روشنی سے اس نے لکھی  
میرے ماتھے پہ ایک بات عجیب

میں ہمیشہ سے اُس کے سامنے تھی  
اُس نے دیکھا نہیں تو میرا نصیب

روح تک جس کی آنحضرتی ہے  
کون یہ شعلہ روہے دل کے قریب

چاند کے پاس کیا کھلا تارہ  
بن گیا سارا آسمان رقیب

شجرہ اہل درد کس سے ملے  
شہر میں کون رہ گیا ہے بخیب

اں کھوں کے لئے جشن کا پیغام تو آیا  
تاخیر سے ہی چاندِ لبِ بام تو آیا

اُس باغ میں اک پھول کھلامیرے لئے بھی  
خوشبو کی کہانی میں مرانام تو آیا

پت جھڑ کا زمانہ تھا تو یہ بخت ہمارا  
سیرِ چمن دل کو دُہ گلفام تو آیا

اڑ جائیگا پھر اپنی ہواؤں میں تو کیا عنم  
دُہ طاڑِ خوش رنگ تہبہ دام تو آیا

ہر چند کہ کم عرصہ زیبائی میں مٹھرا  
ہر چھرو گل باغ کے پکھو کام تو آیا

جب دُور تھے ہم نظمِ گلتاں سے تو خوش تھے  
تحیں بھی جاتی رہی انعام تو آیا

واضح تو ہوا ترکِ محبت کا ارادہ  
بارے دلِ آشفته کو آرام تو آیا

شب سے بھی گزر جائیں گے گر تیری رضا ہو  
دورانِ سفر مرحلہِ ستم تو آیا

جو صبح خواب ہوا ، شب کو پاس کتنا تھا  
بچھڑ کے اُس سے مرا دل اُداس کتنا تھا

دُہ اور شے بھتی قبا جس سے ہو گئی زنگیں  
اُسے پتہ ہے کونی خوش بساں کتنا تھا

خبر نہیں کہ تجھے دیکھنے میں آنکھوں کا :  
یقین کتنا رہا ، التباس کتنا تھا

بغیر دیکھے ہی لوٹا دیے جو پھول آئے  
کسی کے حق میں یہ دل ناپاس کتنا تھا

دہ جس کو بزم میں مہماں عالم بھی نہ کہا  
کے بتائیں کہ خلوت میں حاص کتنا تھا

دل کی حالت ہے اضطرابی پھر  
 کوئی لائے گا یہ حسرابی پھر  
 ایک مدت کے بعد خوابوں کا  
 پیرہن ہو گیا گلابی پھر  
 لے رہی ہے طویل رات کے بعد  
 زندگی عنی آفت بابی پھر  
 دھیان کی رحل پہ بصد مفہوم  
 ایک چہرہ کھلا کتبابی پھر  
 کٹ ہی جائے گی شب کہ آنکھوں میں  
 ایک صورت ہے ماہتابی پھر  
 چھوڑی ہے ہواز مستانی  
 شجر جاں ہوا شہبادی پھر  
 گر رہے ہیں ترے خیال کے پھول  
 خوبصورت ہے فرشِ خوابی پھر  
 شرحِ آسودگی میں شامل ہے  
 معنیِ عنم کی دیریابی پھر

# سفرِ خواب

بہت ہی خوبصورت خواب تھا  
 جو کجھی عمروں میں  
 میں اکثر دیکھتی تھی  
 یہ — کہ  
 پورے چاند کی شب ہے  
 زمیں سے آسمان تک  
 رoshni کی ایک سڑھی بن گئی ہے  
 مرے تن پر ستاروں سے بنا طبوس ہے  
 اک ہاتھ میں تازہ گلاب  
 اور دوسرا ہاتھ میں تیرا بازو ہے  
 میں تیرا ہاتھ تھامے  
 زینہ در زینہ قدم رکھتی ہوں  
 نامعلوم دنیا کے سفر پر ہوں  
 تری سانسوں کی خوشبو  
 رات کی رانی کا جادو

چاندنی کا مس

آپس میں گھلے جاتے ہیں  
میری رُوح میں تخلیل ہوتے جا رہے ہیں :

یہ سپنا جل چکا تھا

بس کی راکھ میری رُوح میں اکثر اڑا کرتی  
مگر کل شب

شبِ مہتاب بھتی

اور آسمان تک نور کی سیر چھی بی بھتی

ستاروں سے بھرا آنکھل تھا میرا

مرے اک ہاتھ میں ہلکے گلابی پھول تھے

اور دوسرا اک اجنبی کے ہاتھ میں تھا

جس کا ہر انداز بجھ سے مختلف تھا

مگر اس آنکھ میں جو جنم گاہٹ بھتی

مری دیکھی ہوئی بھتی

اور اس لب پر جود لکش مسکراہٹ بھتی

مری پھومی ہوئی بھتی :

# ایک شرمی نظم

جشن بہار تھا

بارش فرش گل پسل ناچ رہی تھی

ہوا کی نئے تھی بے حد شوخ

پڑن خوشی سے جھوم رہے تھے

ساری فضا پتوں کی ہنسی سے گونج رہی تھی !

صحن چمن کے گوشه میں

میں بھی کھڑی تھی تیرے ساتھ

رُوح کادا من کھینچ رہی تھی

تیرے پیرا بن کی آنچ

میرے اور بارش کے لبوں پر

کھیل رہی تھی

ایک ہی بات

تیرے ہونٹ اتری پیشانی اترے ہات

# وہ باغ میں میرا منتظر تھا

وہ باغ میں میرا منتظر تھت  
 اور چاند طلوع ہو رہا تھت  
 زلفِ شبِ ہصل کھل رہی تھی  
 خوشبو سانسوں میں گھل رہی تھی  
 آنی تھتی میں اپنے پی سے ملنے  
 جیسے کوئی گل ہوا سے کھلنے  
 اک عمر کے بعد میں ہنسی تھتی  
 خود پر کتنی توجہ دی تھتی :

پہنچا گہرا بنتی جوڑا  
 اور عطر سہاگ میں بایا  
 آئینے میں خود کو پھر کئی بار  
 اُس کی نظروں سے میں نے دیکھا  
 صندل سے چمک رہا تھا ما تھا  
 چندان سے بدن دمک رہا تھا  
 ہونٹوں پہ بہت شرمی لالی  
 گالوں پہ گلآل کھیلتا تھت

بالوں میں پر دئے ملتے موتی  
 تاروں کا گم ان ہو رہا تھا  
 افشاں کی کلیر مانگ میں تھی  
 کاجل آنکھوں میں ہنس رہا تھا  
 کانوں میں محل رہی تھی بالی  
 بانہوں سے لپٹ رہا تھا گمرا  
 اور سارے بدن سے بھوٹتا تھا  
 اس کے لئے گیت جو لکھا تھا !

ہاتھوں میں لئے دیے کی تھالی  
 اُس کے قدموں میں جا کے بیٹھی  
 آئی تھی کہ آرتی اتاروں  
 سارے جیون کو دان کر دوں !

دیکھا مرے دیوتا نے مجھ کو  
 بعد اس کے ذرا سا مسکراایا  
 پھر میرے سہرے تحال پر ہاتھ  
 رکھا بھی تو اک دیا اٹھایا  
 اور میری تمام زندگی سے  
 مانگی بھی، تو ایک شام مانگی !

شجر کے ہاتھ میں اک زرد پھول باقی ہے  
ابھی بس ماسنہ پہ ڈھول باقی ہے

مرے قبیلے میں نکلے سبھی فرد ختنی  
نہ کوئی وعدہ نہ کوئی اصول باقی ہے

درُونِ شہرِ گلابوں کی بارِ خستم ہُونیٰ  
کنارِ شہرِ پُرانی بُول باقی ہے

ہواۓ شہرِ ستم کو ابھی پتہ نہ پڑے  
مرے دوپٹے میں اک سُرخ پھول باقی ہے

قامت سے بھی کچھ سوا دیا ہے  
بارش نے ہمیں ہلا دیا ہے

دیکھی ہے مری اُداسی اُس نے  
اور دیکھ کے مُسکرا دیا ہے

اب تو مجھے صبر آگیا ہتا  
یہ کس نے مجھے رُلا دیا ہے

وہ چا ہے تو راستہ بدل لے  
میں نے تو دیا جلا دیا ہے

اُس رونقِ بزم نے تو میسری  
تنهانی کو بھی سجا دیا ہے

وہ پل کہ سلگ انھا ہے ملبوس  
اور اس نے دیا بجھا دیا ہے

رُکنے کا سمے گزر گیا ہے  
جانا ترا اب مہبہ گیا ہے

رخصت کی گھڑی کھڑی ہے سر پہ  
دل کوئی دنسیم کر گیا ہے

ما تم کی فضا ہے شہرِ دل میں  
مجھ میں کوئی شخص مر گیا ہے

بچھنے کو ہے پھر سے چشم نرگس  
پھر خوابِ صبا بکھر گیا ہے

بس ایک نگاہ کی تھی اس نے  
سارا چہرہ نکھر گیا ہے

بار احساں اٹھانے جس تھس کا  
دل اسیہر طلب ہوا کس کا

ایک پل میں گزر گئی وہ شام  
صبح سے انتظار تھا جس کا

یہ دُعائے شفا ہے یا کچھ اور  
اُس نے بھیجا ہے پھول زرس کا

ضبط اتنا نہیں ہے اشکوں پر  
کچھ خیال آگیا تھا مجلس کا

پھر سے نجیمے جلے ہیں اور سر شام  
بین ہے اپنے اپنے دارث کا

لوٹنا ہے مجھے گھر جائیگا آخر وہ بھی  
میں بھی غربت میں ہوں مانندِ مسافر وہ بھی

میں نے بھی پیاس کے صحرائیں بڑے دن کاٹے  
جرعہ آب کو ترسا ہوا طاڑوہ بھی

میرا ذکر بھی مرے چہرے سے نہیں کھلتا ہے  
اور سر بزم ہے فرختہ بسطا ہر وہ بھی

اس کی حرمت کامرے دل کو بھی ہے پاس مہبت  
چپ ہے گا مری ناموس کی خاطر وہ بھی

کیا عجب ہے کہ یہ دل ہوش سے بیگانہ ہوا  
شب کا افسوں بھی جنوں خیز تھا ساحر وہ بھی

کیا بات ہے جس کا غم بہت ہے

پچھے دن سے یہ آنکھ نم بہت ہے

مل لیتا ہے گفتگو کی حد تک

اتنا ہی ترا کرم بہت ہے

گھر آپ ہی جگما اُٹھے گا

دلہیز پہ اک قدم بہت ہے

مل جائے اگر تری رفاقت

مجھ کو تو یہی جسم بہت ہے

کیا شب سے جمیں سوال کرنا

ہونا ترا صبح دم بہت ہے

کیوں بجھنے لگے چراغ میرے

اب کے تو ہوا بھی کم بہت ہے

چپ کیوں تختے لگ گئی ہے پر دین

سلتے تھے کہ تجھ میں رم بہت ہے

عجبِ اک ساعتِ گلف م آنی  
صبایل کر کسی کا نام آنی

کسی دل میں جزیرے کی نہ تھی چاہ  
سمندر پہ اک ایسی شام آنی

ادا سی منکراتی ہے کہ اب کے  
توجہ سے تری خوش کام آنی

دُعا اب چاہے بامِ عرش چھوپے  
ترے درے تو یہ ناکام آنی

تو سوداگر ہے ایسا ہاتھ جس کے  
کبھی کی زندگی بے دام آنی

یہ ساری زندگی کی بے نیازی  
بالآخر حسن کے کیم کام آنی

رسٹہ ہی نیا ہے نہ میں انجان بہت ہوں  
پھر کوئے ملامت میں ہوں نادان بہت ہوں

اک عمر جسے خواب کی مانند ہی دیکھا  
چھوٹے کو ملا ہے تو پریشان بہت ہوں

مجھ میں کبھی آہٹ کی طرح سے کوئی آئے  
اک بندگی کی طرح سنان بہت ہوں

دیکھا بے گرزی اُس نگہبہ سرد کا اتنا  
ماں بہ توجہ ہے تو حیران بہت ہوں

ابھیں گے کئی بار ابھی لفظ سے مفہوم  
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں

# فضل صاحب کے لئے ایک اور نظم

عجب گھڑی ہے  
 ابھی تجھے سبز خانہ خاک میں رکھے  
 اک پہر ہوا ہے  
 ابھی قبلے سخن سے  
 تیرے بدن کی گرمی گئی نہیں ہے  
 فرد گاہ حیات میں خصتِ سفر کی  
 تمام تر گرد دم بخود ہے  
 نشست کی جا نہیں ملی ہے  
 تری لحد کے گلاب تازہ ہیں  
 صبا ابھی تیری مسکراہٹ سے مشکبو ہے !

ابھی تو رسم وداع پوری نہیں ہوئی حتیٰ  
 کہ جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا ہے ہم میں  
 کسی کا کہنا کہ خرقہ فن  
 اُسے ترے ہاتھ سے ملا ہے  
 کوئی بزغم خود آن کر

مسندِ خلافت پہ روئی افراد ز ہو گیا ہے  
مجا درینِ ادب ترے مقبرے پہ  
لو بان و عُود و عنبر جلانے بیٹھے  
سخن کا نذرانہ مانگتے ہیں  
اک اک غزل سمجھنے والے نو خیز و سبز روکو دکان شہرِ سخن کو  
اگر، بصدِ عنایت  
بقا کی تعویذ بانٹتے ہیں  
کہیں ترانام بک رہا ہے  
کہیں پہ آواز کا ہے سودا  
سخن کی آڑست عروج پر ہے !

# نماش

شہر کے بیچوں بیچ نماش لگی ہوئی ہے  
 طرح طرح کے زخموں کے اسٹال لگے ہیں  
 کہیں بڑی محنت سے سُرخ رنگائے ہوئے دلکش ملبوس  
 سینت سینت کے رکھے ہوئے تارِ داماں  
 پھٹے ہوئے آنچل کی دھنیاں  
 مسکی اور حنیاں  
 نم آلو، شکن بستہ، میلی چادر  
 لوح پشت پہ نیلم کی نقاشی والے جسم  
 صب بے جا میں رکھے جانے والے کچھ خواب  
 گروی (ہنے والی) آنکھیں  
 عمر قید پانے والی آشائیں  
 جلا وطن امیدیں !

اس انبوہ رنگ میں  
 کچھ ایسے بھی لوگ کھڑے ہیں  
 جن کے دل اور لان کے پھول

کبھی نہیں مرجھا  
 جن کی زمی پیرا ہن کو  
 بادِ صباتک چھونے سے گھبراتی ہے  
 جن کے بدن پر اک بکاساز خم لگے تو  
 لاہر رخانِ شہر کی پلکیں  
 بہر رفو آجاتی ہیں  
 جن کی خواب گہوں کا ریشم  
 پسند بنتا رہتا ہے  
 نسلیم اور یاقوت یہاں پڑے اپنی جگہ پر ہوتے ہیں  
 خواب انہیں خود دیکھتے ہیں  
 عمر قیدِ صبس بے جا اور کالا پانی جیسے لفظ  
 ان کے لئے نامحرم ہیں !  
 جن کے گھروں میں  
 فصل کے میوے  
 رُت کے پھول  
 اور تہوار کی شیرینی  
 حاکمِ دقت کے تو شہزادے خاص سے بمحوالے جاتے ہیں  
 مجھرِ خاص کی خلعت پا کر  
 معتبرینِ شاہ میں شامل ہو کر

جو ہر صبح نکلتے تھے  
 زیرِ فلک نافرمانی کی سُن گئی یعنی  
 زیرِ زمیں پچانی کی سرکوبی کرنے  
 اور ہر شام کو کافی ہاؤس میں  
 حاکم ناجائز کے خلاف  
 نیا تبرہ لکھنے اور مکر رکھنے والے سادہ دلوں کے گھر کا پتہ  
 سادہ کپڑوں والے اہلکاروں کو دینے !

چیزوں کی ترتیب اچانک بدل گئی ہے  
 سرچشمہ دکھتے یا گلیسرین  
 آنسو میساں چمک رہے ہیں !

ساری آنکھیں صفتستہ ہیں  
 دروازے پر لگی ہونی ہیں  
 بالوں شہر قدم رنجہ ہوں  
 نیتہ کا ٹیس :

# سندھ کی ایک بیٹی کا پنے رسول سے ایک سوال

اے دین کے آخری پیغمبر  
 تھا لطف خُدا کا خاص تجھ پر  
 بھیجا تھا تجھے بنائے رحمت  
 ساری دُنیا کے بے کسوں پر  
 ہوتی رہی تجھ پر سنگباری  
 ہونٹوں سے رہیں دعائیں جاری  
 ہر سود کو کر دیا تھا باطل  
 ہر خون معاف کر دیا تھا  
 تواریں نیام میں رکھا دیں  
 چادر میں اٹھا کے جھر اسود  
 خود دار مسافرت کی تفیر  
 عقبہ کی دہ باوقار بیعت  
 گھر چپڑا کچھ اس طرح سے تو نے  
 ہجرت کو مثال کر دیا تھا

النصار و مهاجرين کیا تھے  
ایشارو و فاکی انتہا تھے  
و سعیتے دلوں کو بھر دیا تھا  
تو نے انہیں ایک کر دیا تھا :

ہم بھی تو ترے ہی اُمتی ہیں  
اس شکرِ اولیں کی صورت  
بُجھ سے ہی تو سلسلہ ہے اپنا  
پھر کیا ہے کہ ہم میں اور ان میں  
ہیکل سی مشابہت نہیں ہے  
اب گھر ہے نہ کونی دل کشادہ  
لگتا ہے کہ ہر درخت اپنے  
سایے کے خلاف ہو گیا ہے  
بھائی، بھائی کو کھا رہا ہے  
خاکم بد بمن پہ تیرے ہوتے  
کیا ہم پہ کسی کی بد دعا ہے  
بستی یہ ہماری جس میں اب بھی  
خوشبو ترے نام کی بسی ہے  
بارود میں کیوں نہ بارہی ہے

شعلے اسے کیوں نگل بہت میں  
جو شہر کہ اپنی شخصیت میں  
شب نہ تھا، گلاب تھا، صبا تھا  
اب آگ ہے، خون ہے، دھواں ہے  
یہ شہر ہے سانحہ بے کیا ہے  
کوفہ ہے کہ کرملا ہے، کیا ہے

دشتِ غربت میں ہیں اور رنج سفر کھینچتے ہیں  
بارہستی ہے جسے خاک بہ سر کھینچتے ہیں

جن چراغوں کو میسر نہیں اس کی محفل  
انتصار اُس کا سہر را گذر کھینچتے ہیں

زندگی پھر تجھے درپیش ہے زندان دمشق  
اشقیا پھر ترے کانوں سے گہر کھینچتے ہیں

روشن گل پہ، یہ کس وضع کے صیاد ہیں جو  
باندھ کر طائرِ خوبستہ کے پر کھینچتے ہیں

شہر سے جب بھی دُہ جائے تو دُعاوں کا حصہ  
دیدہ نم مرے تاحسنہ نظر کھینچتے ہیں

جانتے ہیں کہ شکستہ ہے طنابِ امید  
خیمنہ جاں ترے کوچے ہیں مگر کھینچتے ہیں

تیری خوش نامی کا آتا ہے بہت دل کو خیال  
گریہ کرتے ہوئے آواز اگر کھینچتے ہیں

لگ گئی تھی تری کچھ پچھلے پہر انکھ لے دل  
آج سے ہم ترے نالے سے اثر کھینچتے ہیں

دل کو کچھ تیری توجہ کا بھی طالب پایا  
تیری توصیف سے اب دست ہنر کھینچتے ہیں

# کھراپی — ۸۹ کی آخری شام

عکسِ گلِ تر جَلَا ہوا تھا  
خوابوں کا نگر جَلَا ہوا تھا

یادستِ دُعا نہ اٹھ کا تھا  
یا اُس کا ائر جَلَا ہوا تھا

ہر گھر تھا لٹا ہوا کنی بار  
اور بارِ دگر جَلَا ہوا تھا

یا نوج لئے گئے تھے پتے  
یا سارا شجر جَلَا ہوا تھا

آنکھوں کی جگہ پہ آبلے تھے  
اور تارِ نظر جَلَا ہوا تھا

طبعہ تھا تمام، شہرِ خوبی  
اور ہو کے کھنڈ جلا ہوا تھا

تھر خانہ جاں میں تجھ کو رکھتی  
لیکن مرگھر جلا ہوا تھا

پچھے دیر کا سوختہ نہ تھا شہر  
یہ آٹھ پہر جلا ہوا تھا

پرواز کا انساڑ قفس میں  
ٹوٹا ہوا پر جلا ہوا تھا

منزل تھی غبار راہ میں گم  
اور رخت سفر جلا ہوا تھا

جب ہو کے صبا کو چہ تعریز سے آئی  
اواز عجائب حلقہ زنجیر سے آئی

خوشبو کا دریچہ بھی کھلا رنگ کے ہمراہ  
اک یاد بھی پیٹی ہوئی تصویر سے آئی

گل لے گئے عطار، شمر کھا گئے طاڑ  
سونر کی کرن باغ میں تاخیر سے آئی

پہلے بھی کشش جلوہ دنیا میں بھتی یکن  
اس بار ترے حُسن کی تاثیر سے آئی

سادہ تھا بہت خواب ترا چشم تم ت  
مشکل میں نظر کثرت تعبیر سے آئی

یوں سارے چراغ اور گلاب اپنی جگہ میں  
ستے میں چمک سایہ رمکیر سے آئی

شہرِ جمال کے خس و خاشک ہو گئے  
اب آئے ہو جب آگ سے ہم خاک ہو گئے

ہم سے فرعون خاک نہ زیبانی آب کی  
کانی کی طرح تہمت پوشک ہو گئے

پیرا ہن صبا تو کسی طور سل گیا  
دامان صد بہار ملک چاک ہو گئے

اے ابرِ خاص! ہم پہ بستے کا اب خیال  
جل کرتے فراق میں جب راکھ ہو گئے

قامِ تم تھے اپنے عہد پہ یہ دیدہ ہائے غم  
کیا یاد آگیا ہے کہ نماک ہو گئے

اب تک جنوں ہی اپنا اثاثہ رہا مگر  
تجھ سے ملے تو صاحبِ ادراک ہو گئے

خوبش تو بن نہ پانے سو کچھ ہم سے بے ہنر  
اے موجودہ صبا ترے پیچاک ہو گئے

نشی

نظمیں

## نراثت

میری تمام نظموں کا انتساب اب تک صرف میرے اپنے نام رہا  
اور میں خود کو محبت کی شاعرہ سمجھ کر  
خوش ہوتی رہی  
میں نے کوڑے کے ڈھیر پبلی کی طرح چلتا ہوا بچہ نہیں دیکھا  
میں نے اینٹ کا تکیہ بنایا کر سوتا ہوا راج نہیں دیکھا  
راج سے میرے ذہن میں  
ہمیشہ راج ہنس آئے  
اور بچوں سے تازہ گلاب  
میں کیک کو روٹی کا مقابل سمجھتی رہی  
میرے بچے  
میرے راج  
ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا !

# بیشترے کی گھروالی

ہے رے تیری کیا اوقات!  
دُودھ پلانے والے جانوروں میں  
اے سب سے کحم اوقات  
پُرش کی پسلی سے تو تیرا جنم ہوا  
اور ہمیشہ پیروں میں تو پہنی گئی  
جب ماں جایا پھلواری میں تسلی ہوتا  
تیرے پھول سے ہاتھوں میں  
تیرے قد سے ڈری جھاڑو ہوتی  
ماں کا آنچل پکڑے پکڑے  
تجھ کو کتنے کام آجاتے  
اپلے تھاپنا  
لکڑی کائنا  
گانے کی سانی بنانا  
پھر بھی مکھن کی ڈمکیا  
ماں نے ہمیشہ بھیا کی روٹی پر رکھی

تیرے لئے بس رات کی روئی

رات کا سالن

روکھی سوکھی کھاتے

موٹا جھوٹا پہنتے

تجھ پہ جوانی آئی تو

تیرے باپ کی نفرت تجھ سے اور بڑھی

تیرے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے پر

ایسی کڑی نظر رکھی

جیسے ذرا سی چوک ہوئی

اور تو بھاگ گئی

سولھواں لگتے ہی

ایک مرد نے اپنے من کا بوجھ

دوسرے مرد کے تن پہ اُتار دیا

بس گھر اور مالک بدلا

تیری چاکری وہی رہی

بلکہ کچھ اور زیادہ

اب تیرے ذمے شامل تھا

روئی کھلانے والے کو

رات گئے خوش بھی کرنا

اور ہر ساون گا بھن ہونا  
 پورے دنوں سے گھر کا کام سنبھالتی  
 پتی کا ساتھ  
 بس بستر تک  
 آگے تیرا کام !  
 کیسی نوکری ہے  
 جس میں کوئی دیہاڑی نہیں  
 جس میں کوئی چھٹی نہیں  
 جس میں الگ ہو جانے کی سرے سے کوئی ریت نہیں  
 دُھوروں ڈنگروں کو بھی  
 جیٹھے اساثھ کی دھوپ میں  
 پیرتیے ستانے کی آزادی ہوتی ہے  
 تیرے بھاگ میں ایسا کوئی سمے نہیں  
 تیری جیون گلڈنڈی پر کوئی پیر نہیں ہے  
 ہے رے !

کن کر مول کا پھل ہے تو  
 تن نیچے تو کبی مٹھرے  
 من کا سودا کرے اور پتنی کھلانے

سمے کے ہاتھوں ہوتا رہے گا  
کب تک یہ اپمان  
ایک نوالہ روٹی۔  
ایک کٹورے پانی کی خاطر  
دیتی رہے گی کب تک تو بیدان!

# ایک C. D. U کی ڈائری

میرا بچپن اپنے آپ کو لوریاں دیتے گزرا  
 اور جوانی  
 بندوں کو خوابوں کی رشوت دیتے ہوئے  
 وقت ہمیشہ مجھے گالیاں دیتا رہا  
 اور زمانے نے بھی خوب ٹھہڑے لگائے  
 یہاں تک کہ رُلتے رُلاتے  
 میں ایک بدبوُدار کمرے میں آن پہنچا  
 جہاں میرے چاروں طرف  
 قبل میسح فائلیں تھیں  
 اور حنوط نکئے ہوئے، میرے ہی جیسے کچھ کلرک  
 اور ایک آدھ اپنے وجود سے شرمندہ چپراسی  
 ہم سارا وقت ان فائلوں میں اپنی ناکیں دیے بیٹھے رہتے  
 اور افسروں کے موڈ کے مطابق  
 ان پر فلیگ لگاتے  
 خود ہم پر تو کبھی پی-یو-سی کی چٹ بھی نہیں لگی  
 شاید ہم وہ فائلیں میں

جنہیں خدا مارک کرنا بھول گیا

چنانچہ ہم ساری زندگی

ایک ہی میز پر دھرے رہے

اور ہم پر بے توجہی کی گرد جمی رہی !

میں نے ایک بار

اس میز سے کھکنے کی کوشش کی تھی

اور چپکے سے

اور فاملوں کے ساتھ نہ تھی ہو کر

اوپر چلا گیا تھا

اتنی سی بات پر

میرے افسر کے افسرنے

اُس کی ماں بہن ایک کر دی تھی

اور اس نے منطقی طور پر ہماری

اُس دن کے بعد سے

میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولا

(اور نہ میرا چھوٹا افسر)

اب میں گدھے کی سی دلجمی سے نوٹ لکھتا ہوں

اور اس عبارت کے دوران

کبھی کبھی ٹوٹی ہوئی پیالی میں چانے پی لیتا ہوں  
اور کبھی ادھار سگیٹ کا ایک کش لگایتا ہوں  
(جو میری واحد عیاشی ہے)

### شام ڈھنے

اکڑی ہوئی ٹانگوں اور تنخنہ ہوتی کمر کو گھسیتے  
بس اٹاپ کی طرف نکل پڑتا ہوں  
اور دم گھونٹنے والی بسوں کے اندر رکھنے ہوئے ریوڑ کا

### حصہ بن جاتا ہوں

شام گئے گھر پہنچتا ہوں

جبہاں میری بھنسکتی ہوئی بیوی میری منتظر ہے

### جو بیسوادیں کی طرح

پہلے میری جیب میں ہاتھ ڈالتی ہے

پھر زپتوں کو گلی سے باہر دھکیلتی ہے

### رات گئے

۲۲ روپے والے ڈالر کے زمانے میں

میں اپنے ۵ روپے سالانہ اضافے کو

سوچ سوچ کر خوش ہوتا ہوں

اور انگلیوں پر

پراویڈنٹ فنڈ کا حساب کرتا ہوں

اور آنے والے بڑھائے کو لوری دینے لگتا ہوں!

# ٹماؤ یہ پچھپ

ہمارے ہاں

شعر کہنے والی عورت کا شمار عجائب میں ہوتا ہے  
ہر مرد خود کو اُس کا مخاطب سمجھتا ہے  
اور چونکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا  
اس لئے اُس کا دشمن ہو جاتا ہے!

سارانے ان معنوں میں  
دشمن کم بنانے

اس لئے کہ وہ وضاحتیں دینے میں  
یقین نہیں رکھتی تھی  
وہ ادیب کی جور و بننے سے قبل ہی  
سب کی بھا بھی بن پچکی تھی  
ایک سے ایک گئے گزرے لکھنے والے کا دعویٰ تھا  
کہ وہ اُس کے ساتھ سوچکی ہے  
صبح سے شام تک  
شہر بھر کے بے روزگار ادیب  
اس پر بھبھناتے رہتے

مسار اشکفتہ

جو کام کاج سے لگے ہونے تھے  
وہ بھی  
ستری بُسی فالکوں اور بوسیدہ بیویوں سے ادب کر  
ادھر ہی آتے  
ربجلی کے بل بچے کی فیس اور بیوی کی دوائے بنیاز ہو کر  
اس نے کہ یہ مسائل  
چھوٹے لوگوں کے سوچنے کے میں)

سارا دن

ساری شام  
اور رات کے کچھ حصے تک  
ادب اور فلسفے پر دھواں دھار گفتگو ہوتی  
بھوک لگتی تو  
چندہ وندہ کر کے  
نکڑ کے ہوٹل سے روٹی چھوٹے آ جاتے  
غطیم دانشور  
اُس سے چائے کی فرمائش کرتے ہوئے بھتے  
تم پاکستان کی امرتا پر نیم ہو  
بے دقوف رڑکی

سچ سمجھ لیتی

شاید اس لئے بھی

کہ اُس کے نان و نفقة کے ذمہ دار تو اسے جمیش

کافکا کی کافی پلاتے

اور زرودا کے بکٹ کھلاتے رہتے

اس میں لمحے بونے کے بہانے COMPLIMENT

اُسے روٹی تو ملتی رہی

لیکن کب تک

ایک ایک دن تو اُسے بھیر دیں کے چنگل سے سکنا ہی تھا

سارا نے چنگل ہی چھوڑ دیا !

جب تک وہ زندہ رہی

ادب کے رسیا اسے بھنبھوڑتے رہے

اُن کی محفلوں میں اُس کا نام

اب بھی لذیذ سمجھا جاتا ہے

بس یہ کہ اب وہ اس پر دانت نہیں گاڑ سکتے

مرنے کے بعد انہوں نے اسے

ٹماٹو کیچپ کا درجہ دیا ہے !

# اسٹیل ملز کا ایک خصوصی مزدور

کالا بھوت

جیسے کوئے کے نطفے سے جنم لیا ہو  
ایک جنمی درجہ حرارت پر رہتے ہوئے

اس کا کام

دیکھی بھٹی میں کوئے جھونکتے رہنا تھا

اس کے بدلتے

اس کو اجرت بھی زیادہ ملتی تھی

اور خوراک بھی خصوصی

اور ایک وقت میں چار گھنٹے سے زیادہ کام نہیں لیا جاتا تھا

لیکن شاید اس کو یہ نہیں معلوم

کہ خودکشی کے اس معابدے پر

اس نے

بقائی ہوش و حواس دستخط کرنے میں

اس بھٹی کا ایندھن دراصل وہ خود ہے !

# سمیع محدثی کی ایک نظم

باسو بہت رویا

اور مصیر ہا کہ اُس کی زوجہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے

نوجوانوں نے ایک دوسرے کو

آنکھوں ہی آنکھوں میں کہنیاں ماریں

بُڑھوں نے اُسے خل دماغ کہا

اور مولوی نے بدعت

باسو بڑی مشکل سے گھر لایا گیا !

وہ روز فتر سے سیدھا میوه شاہ چلا جاتا

پھولوں اور اگربیتوں کے ساتھ

اُس کا کافی عرصے یہی معمول رہا

پھر جمعرات کے جمعرات

پھر ہر نو چندی کو

پھر عید، بقر عید اور شب برات

آخر میں بر سی کے بر سی

ایک دن چلچلاتی دھوپ میں  
بس نمبر ۶ سے اُترتے ہوئے  
اُس کی نظر ایک پٹیر پر ٹپڑی  
تو اُسے دفتر میں رکھی گئی  
نمی ڈانپٹ کا خیال آگیا  
اس دن اُسے احساس ہوا  
کہ دنیا ایک آدمی پر مشتمل نہیں ہے  
باس وہ بت بنا

# ایک مشکل سوال

ٹاٹ کے پردوں کے پیچھے سے  
ایک بارہ تیرہ سالہ چہرہ جہان کا  
وہ چہرہ  
بہار کے پہلے بچوں کی طرح تازہ تھا  
اور آنکھیں  
پہلی محبت کی طرح شفاف !  
لیکن انس کے ہاتھ میں  
ترکاری کاٹتے رہنے کی لکیریں تھیں  
اور ان لکیروں میں  
برتن مانخنے والی راکھ جمی تھی  
اُس کے ہاتھ  
اُس کے چہرے سے بیس سال بڑے تھے !

# یا سر عرفات کھلتے ایک نظم

آسمان کا دہ حصہ

جسے ہم اپنے گھر کی کھڑکی سے دیکھتے ہیں  
کتنا دلکش ہوتا ہے

زندگی پر یہ کھڑکی مجر تصرف  
اپنے اندر کیسی ولایت رکھتا ہے

اس کا اندازہ

تجھ سے بڑھ کر کے ہو گا

جس کے سر پہ ساری زندگی چھت نہیں پڑی  
جس نے بارش سدا اپنے ہاتھوں پر روکی  
اور دھوپ میں کبھی دیوار ادھار نہیں مانگی

اور برفوں میں

بس اک الاذر وشن رکھا

اپنے دل کا

اور کیسا دل

جس نے ایک بارکسی ت موجت کی

اور پھر کسی اور جانب بھولے سے نہیں دیکھا  
 مٹی سے اک عمد کیا  
 اور آتش و آب و باد کا چہرہ بھول گیا  
 ایک ایسے خواب کی خاطر  
 ساری عمر کی نیندیں گردہ رکھ دی ہیں  
 دھرتی سے اک وعدہ کیا  
 اور بستی بھول گیا  
 ارض وطن کی کھونج میں ایسے نکلا  
 دل کی بستی بھول گیا  
 اور اس بھول پر  
 سارے خزانوں جیسے حافظے داری  
 ایسی بے گھری اس بے چادری کے آگے  
 سارے جگ کی ملکیت بھی تھوڑی ہے  
 آسمان کی نیلامت بھی میل ہے :

# دوست ملک کیلے ایک نظم

محبت بیان نہیں رویہ ہے

اس بات کا اندازہ

بمیں اُس وقت ہوا

جب تم نے

بہار کی بن رoshni میں نہائے ہونے یہ جنگ پر قدم رکھا  
رفاقت کی سوجھ بوجھ رکھنے والی خوشبو ہماری منتظر تھی

ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے

لیکن ہمارے پانچوں کی حرارت

اس ناواقفیت کی تلافی کر رہی تھی

ہمارے ہونٹ خاموش تھے

لیکن ہماری آنکھیں مرکالمہ کر رہی تھیں

ہمارے درمیان وہ خاموشی تھی

جو بہت پرانے دوستوں کے نیچ ہوتی ہے !

عظمیم ملک کے عظیم لوگ

جنہوں نے ایک روشن اور خوشگوار دن کیلئے  
 ایک طویل رتبجگے کی ذمہ داری قبول کی  
 جنہیں ہماری شناخت اپنی پہچان کی طرح عزیز ہے  
 جنہیں ہماری بے سرو سامانی کی خبر  
 سب سے پہلے ہو جاتی ہے  
 جو ہمارے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے  
 ہماری کلاہ سے کبھی نہیں کھیلتے  
 دہلوگ کہ جن کے پاس رہتے ہوئے  
 ہمارے پاس کوئی ترجمان نہ بھی ہوتا  
 تو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا  
 دیاں تولدیں اور لھڑوں پر ایک ستک کافی ہے  
 پاکستان !

میں وہ بچی کس طرح بھول سکتی ہوں  
 جس کی آنکھیں مخملیں تھیں اور  
 اور جس کے چمکدار باؤں میں سُرخ رین بندھا تھا  
 اور جو محض بآس سے ہمیں پہچان کر  
 ہم سے لپٹ گئی تھی !

راکا پوشی کے ادھر جانے والی ہوا

اگر تجھے کوئی مخلیں آنکھوں  
اور سُرخِ ربن والی پچی ملے  
تو اس سے کہنا  
نہ خسی پرمی  
تمہارا ایک گھم  
ہحال کے اس طرف بھی ہے !

# SAN FRANCISCO

حد نظر تک  
زمین کا رنگ سبز ہے  
اور ڈھلانوں پر  
مرخ رنگ کے گھر کھلے ہوئے ہیں  
اپنے مکینوں کی طرح  
کشادہ دل  
دو قدم چلیں  
اور کوئی نہ کوئی شفافت چشمہ  
ایک شریر بچے کی طرح  
آپ پر پانی اچھال دے  
ذرا آگے بڑھئے  
اور ایک بلکورے لیتی جبیل  
آپ کو اپنی مسکراہٹ کے ہالے میں سمیٹ لے  
سارا شہر ہی با غ لگتا ہے  
شام تک

تسلیاں آپ کے ہمراہ ہوتی ہیں  
اور رات کو جگنو بنتے ہونے آجائے ہیں  
زمیں پر پاؤں رکھتے ہوئے ڈر گلتا ہے  
ہمیں کسی پھول پر نہ آجائے !

امے خدا

اس شہر کو ہمیشہ آباد رکھنا  
یہ تیرے بندوں کو  
تجھ سے قریب لاتا ہے !

# ایک افسہر اعلیٰ کا مشورہ

میرے ایک افسہر اعلیٰ نے  
 ایک دن مجھے اپنی بارگاہ خاص میں طلب کیا  
 اور ایک دو فائلوں کا حال پوچھنے کے بعد  
 میری غیر سرکاری مصروفیات پر چیز بہ جبیں ہوئے  
 معاشرے میں شاعر کی اوقات پر رودشتی ڈالی  
 خلاصہ گفتگو یہ کہ  
 ملک میں شاعر کی حیثیت دہی ہے  
 جو جسم میں اپنڈ کس کی  
 بے فائدہ ۔ مگر کبھی کبھی سخت تکلیف کا باعث  
 سواس کا ایک بھی حل ہے ۔ سرجرمی !  
 چشم تصور سے، میری شخصیت کے اپنڈ کس سے نجات پا کر  
 پکھ شگفتہ ہوئے  
 پھر گویا ہوئے  
 ایک آئندہ میں افسروہ ہے  
 جس کا کوئی چہرہ نہیں ہوتا

پہلے اُس کے ہونٹ نامب ہوتے ہیں

پھر آنکھیں

اس کے بعد کان

آخر میں سر

ہونٹوں جانکھوں کا نوں اور سر سے بجات پائے بغیر

کوئی افسر، فیڈرل سیکرٹری نہیں بن سکتا!"

اپنی بات پر زور دینے کے لئے

انہوں نے دو ایک مشہور سرکٹے افسروں کا حوالہ دیا

لیکن میرے چہرے پر

شاید انہوں نے پڑھ لیا تھا

کہ یہ بے وقوف لوکل شاعر ہے میں ہی خوش ہے

سو بد مرہ ہو کر

انہوں نے مجھے اپس جانے کی اجازت مرجمت فرمادی

اور میں بے وقوف

ایک نئی نظم کو سوچتی ہوئی اپنے دفتر لوٹ آئی

اپنی A.C.R میں

سرخ روشنائی کے ایک ممکنہ اندر اج کے باوجود!

# ایک سو شلو رکر خاؤن کا مسلسلہ

میں نے اپنے لان میں احتیاط سے پانی دیتے ہوئے  
 کنٹونمنٹ بورڈ کافی بُرا بھلا کہا  
 بھلا یہ بھی کوئی کارکردگی ہے  
 جس میں پھولوں کو پانی میسر نہ آسکے  
 میرے سارے امپورٹڈ پودے مُرجھائے جاتے ہیں :

میں نے دل ہی دل میں  
 ایک چلتے ہوئے ۔ اخبار کے مدیر کے نام  
 ایک مراسلمہ بھی ڈرافٹ کر دیا  
 ابھی میں طنز کی دھار غصے کی سان پر رکھ رہی تھی  
 کہ مجھے باہر ایک بچہ نظر آیا  
 جس کے دونوں کاندھوں پر  
 ایک ڈنڈا رکھا تھا  
 اور ڈنڈے سے دو کنسٹرینڈھے ہوئے تھے  
 نئے پھول نے اندر جھانکا  
 اور حسرت بھری نظروں سے پاپ کی طرف دیکھا

میرا دل کٹ گیا  
مگر

میں نے اس سے کہا

بیٹھے

اگر میں ان کنستروں میں پانی بھر دوں  
تو ان کا وزن تمہارے وزن سے بڑھ جائے گا  
تم ایک قدم نہیں چل سکو گے  
اور گھر نہیں جا سکو گے  
اور اپھے بچے دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتے  
بچے کی آنکھیں اچانک پچاس سال کی ہو گئیں  
اُن میں ایک جھٹکیوں بھرا زہر خند اُبھرا  
پھر وہ خاموشی سے  
باہر چلا گیا !

میں نے اپنے ڈرافٹ کی عبارت میں  
ایک سطر کا اور اضافہ کر دیا !

# کراچی

کراچی

ایک ایسی بیسوائے

جس کے ساتھ

پہاڑوں میدانوں اور صحراؤں سے آنے والا

ہر سائز کے بٹوے کا آدمی

رات گزارتا ہے

اور صبح اُٹھتے ہی

اس کے داہنے رخسار پر

ایک تھپٹر سید کرتا ہے

اور دوسرے گال کی توقع کرتے ہونے

کام پر نکل جاتا ہے

اگلی رات کے نشے میں سرشار !

# کلفٹن کے پل پر ۰۰۰

کلفٹن کے پل پر  
 جس سے شہر کی الیٹ گزرتی ہے  
 اور سوگز کی حد میں  
 ٹرینیک پولیس کے چاق و چوبند جوان  
 ہمہ وقت ڈیلوٹی دیتے ہیں  
 چھ سات سادہ بیاس والے بھی ہوں گے  
 ارادگرد کوئی غیر متعلق پرنده بھی پر نہیں مار سکتا :  
 میں نے اُسے دیکھا !  
 گھرے نارنجی سوت میں ملبوس  
 جس پر بنا ہوا تینے کا کام  
 مناسب مقامات سے مسکا ہوا تھا !  
 اس کی لپ اٹک اتنی گھری تھی  
 کہ نظر میں لٹھ رکھنی تھیں  
 وسط منی کی دھوپ میں بہتا ہوا فاؤنڈیشن  
 یہ کہہ رہا تھا

کہ عمارت بھی کبھی حسین نہیں تھی  
ستی سی نیل پالش میں ڈوبی ہوئی انگلیوں میں  
ایک سگرٹ پھنسا تھا  
جسے وہ دھواں دار پی رہی تھی  
اس کی تمام حرکات و سکنات  
دفعہ ۲۹۳ کے تحت قابل دست اندازی پولیس تھیں  
ٹرینیک سکنل پر رکے ہوئے میں نے سوچا  
منشوک اس ہیرودن کا، یہ سپاہی  
ابھی دھڑن تختہ کردے گا  
وہ اس کی طرف بڑھا بھی  
لیکن اس سے قبل  
کہ وہ اپنی نوٹ بک نکالتا  
گھرے نیلے نمبر پلیٹ کی ایک کار  
اُس کے پاس رُکی  
اور وہ اپنی دفعہ ۲۹۳ کے اشاروں سمیت  
کار میں غائب ہو گئی  
سفید کپڑوں والے سپاہی کی دونوں ایڑیاں  
جڑی کی جڑی رہ گئیں :

# کتنے برس لگے ...

کتنے برس لگے

یہ جاننے میں

کہ میرے اندر تیرا ہونا کیا ہے

ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا

شام ہوتے ہی

چاند میں روشنی نہیں آجائی

رات ہوتے ہی

رات کی رانی مہک نہیں اٹھتی

شام اور روشنی کے بیچ

رات اور خوشبو کے بیچ

ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے

جس کا ہماری زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

اس آسمانی لمحے نے

اب ہمیں چھوپ لیا ہے !

# چاند کی روشنی میں لکھی گئی دو نظمیں

۱

شروع راتوں کا چاند تھا  
پھر بھی  
سارا باغ روشنی سے بھرا ہوا تھا  
بیسے ہمارے دل  
مجبت سے !

(۲)

چاند کی آخری تاریخیں تھیں  
 کنج چمن کی خوشبو بھری تاریکی میں  
 اُس نے دیے کی تو کو اوپنچا کیا  
 اور میری آنکھوں میں جہان کا  
 پھر تھیں کسی دیے کی ضرورت نہیں رہی !

# I'LL MISS YOU

جانے سے پہلے

اُس نے میرے آنکھ سے ایک فقرہ باندھ دیا

I'LL MISS YOU

سارا سفر

خوبیوں میں بارہا !

## مشورہ

ہماری محبت کی کلینیکل موت داقع ہو چکی ہے !

معذرتوں اور عذرخواہیوں کا مصنوعی تنفسی

اسے کب تک زندہ رکھے گا

بہتر یہی ہے

کہ ہم منافقت کا پلگ نکال دیں

اور ایک خوبصورت جذبے کو با وقار موت مرنے دیں :

# اُسے اس بات کا پتہ نہیں

اُس نے کہا  
 ہم جب بھی سفر پر نکلتے ہیں  
 بارش ہمارے ساتھ ہو لیتی ہے  
 ایک تیسرے شخص کی طرح  
 اُس کے لیج میں چپنی ہلکی سی خفگی پر  
 میں مسکراتے بنانے رہ گئی  
 مجھے احساس ہے  
 کہ کبھی کبھی  
 اُس کے کسی سوال کا جواب  
 میں بارش کو دے دیتی ہوں  
 مگر اُسے اس بات کا پتہ نہیں  
 کہ جس جس بھری دنیا میں ہم رہتے ہیں  
 وہاں  
 بارش ہی ہماری دوست ہو سکتی ہے !

# مجھے جان لینا چاہئے تھا

وہ مجھے اُس وقت ملا

جب پھراؤں پر برف گھل رہی تھی  
چیرمی کے درختوں پر اولین شکوفے پھوٹ رہے تھے  
نوخیز خوشبو سے سارا باغ روشن تھا  
بلبل نے بس ابھی چہکنا شروع کیا تھا  
اپنے بازوؤں میں لئے

وہ مجھے پھولوں بھری وادی میں

گھومتا رہا

ہم تسلیاں اور جگنو کپڑتے رہے  
بارش ایک پیاری دوست کی طرح  
ہمارا ہاتھ بٹاتی رہی

جس دن درخت سے پہلا پتہ گرا  
میں اُسے اٹھانے کے لئے جھکی  
پٹ کر دیکھا

تو وہ جا چکا تھا !  
اب میں ٹوٹے ہوئے پتوں میں  
اپنے آنسو جمع کر رہی ہوں  
مجھے جان لینا چاہئے تھا  
کہ اُس کا اور میرا ساتھ  
موسم بہار تک ہے !

# بلے پر کھی گئی ایک نظم

دیمک ہماری نیو میں اُتر چکی تھی  
سو میں نے اُسے بُل ڈوز رچلانے کا اختیار دے دیا :  
آج میں اپنے بلے پر بیٹھی  
سوق رہی ہوں  
پسکتی ہوئی چھت  
اور گرتی ہوئی دیواروں نے  
کتنے بھیر لیوں کو  
مجھ سے دور رکھا تھا !

# پروین قادر آغا

جب میرے سر سے چادر اُتری  
 تو میرے گھر کی چھت میرے لئے اجنبی ہو گئی  
 "تم ہمارے لئے مرچکی ہو"  
 ابل خانہ کی خاموشی نے اعلان کیا  
 اور میں بابل کے دروازے سے  
 دستک دیے بنا  
 لوٹ آئی  
 میں نے  
 (بڑے مان سے)  
 اپنے پریمی کی طرف دیکھا  
 مگر اس کی آنکھوں میں برف جنم چکی تھی  
 (جیسے میرے لئے ان محبتیوں میں کنوں کبھی کھلے ہی نہ تھے)  
 اب میں کھلے آسمان تک کھڑی تھی  
 اپنے لال کو سینے سے لگائے  
 یا اللہ! میں کہاں جاؤں

سرپہ پہاڑ سی رات

چاروں طرف بھیریے

اور عورت بُسو نگئے ہوئے شکاری کئے  
”ہمیں گھاس نہ ڈالنے کا نتیجہ“ کہتی آنکھیں

”ہمیں موقعہ دو“ کہنے والے اشائے

اور چینی ہٹرے اڑانے والے قہقہے

اور مار دینے والی ہنسی

ٹھٹھے کرتی ہوا

اور فقر کے ستی بارش

ہر طرف سے سنگباری !

مجھ میں اور پاگل پن میں

بس ایک رات کا فاصلہ رہ گیا تھا

خود کشی بھی میری تاک میں بیٹھی تھی

قریب تھا کہ

میں اُس کے ہاتھ آ جاتی

کہ ایک سایہ میری طرف بڑھا

اور میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا

”ہمیں کسی کی پرواہ نہیں

تم جیسی بھی ہو، ہمیں عزیز ہو !“

اُس دن  
میں اتنا روئی  
کہ دُنیا اگر ایک خالی تال ہوتی  
تو میرے آنسوؤں سے بھر جاتی  
میرا ملامت بھرا وجود  
اُس دن سے آج تک  
اُس مہربان سایے کی پناہ میں ہے  
خدا  
کبھی کبھی  
اپنے فرشتوں کو  
زمین پر بھی بمحض دیتا ہے :

# ہم سب ایک طرح سے ڈاکٹر فاسٹس میں

ہم سب ایک طرح سے  
 ڈاکٹر فاسٹس میں  
 کوئی اپنے شوق کی خاطر  
 اور کوئی سی مجبوری سے بیک میل ہو کر  
 اپنی رُوح کا سودا کر لیتا ہے  
 کوئی صرف آنکھیں رہن رکھو اکر  
 خوابوں کی تجارت شروع کر دیتا ہے  
 کسی کو سارا ذہن بھی گردی رکھوانا پڑتا ہے  
 بس دیکھنا یہ ہے  
 کہ سکتے رانچِ الوقت کیا ہے  
 سوزندگی کی WALL STREET کا ایک بائیزہ یہ کہتا ہے  
 کہ آجکل وقتِ خرید رکھنے والوں میں  
 عزتِ نفس بہت مقبول ہے :

# مپھر وہی فرمان

کلچر کی بگ ڈور

پارٹی ACT/17/1575 نے سنہالی بے

اب راگوں کی چولیں

ترکھان بٹھائیں گے

اور شاعری

کمہاروں کے آؤے میں پکا کرے گی  
مصوری کو لوہا رکی دھونکنی کی ضرورت ہے

"بہت ہو گئی رجعت پسندی"

را بطے کا ہر دسیلہ اب ہمارا ہے

"خفیہ یا قومی"

"بیان ادھورا رہ گیا ....."

"تو رہتا رہے"

"معنیہ ابھی استھانی پر تھی ....."

"کوئی بات نہیں"

"انسرہ ہم خود اٹھائیں گے"

"لیکن حضور ایک نظر و مانیہ اور چیکیو سلوکیہ اور مشرقی جمنی پر تو ڈالیں  
خود قبلہ کا بھی گوربا چوف ....."

"ہمیں خبر ہے۔

"مگر ہم GLAS NOST کی خرافات میں نہیں پڑنا چاہتے  
ہر دہ شناخت جو ہماری اجازت کے بغیر  
گزشتہ برسوں زندہ رہا  
غدار ہے

اور غداری کی نژاموت ہے  
اور زندہ نیچ جانے والوں کو خبر ہو  
کہ دناداری کے سڑنی گیٹ پر اب ہمارے دستخط ہوں گے  
رسنہ کھینچنے کا اختیار ہمیں مل چکا ہے!"

# سندھ و دریا کی محبت میں ایک نظم

ہریاں دریا کے دونوں جانب ہوتی ہے  
 وہ پہاڑوں اور میدانوں میں بہتے ہونے  
 پھروں اور پھولوں سے یکساں سلوک کرتا ہے  
 مچھلیاں پکڑتے ہوئے  
 کبھی کسی مچھیرے سے اُس کا ڈومی سائل نہیں مانگتا  
 بلکہ شکریے کا انتظار کرنے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے  
 ہوا اور بادل کی طرح مہربان اور بے نیاز  
 مگر جب اُس کے کناروں پر رہنے والے  
 اُس کے پانیوں میں نفرتیں ملانے لگیں  
 اور بچوں اور بھولوں کو  
 والیوں اور مالیوں کا شجرہ دیکھ کر  
 پانی کا پرمٹ جاری کرنے لگیں  
 اور یہ سدھہ بہت دیر تک پلٹا رہے  
 تو تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے

کہ یے موقعوں پر  
دریا اپنا جغرافیہ تبدیل کر لیتے ہیں !

میرا خیال ہے  
ہمارے لئے  
فی الحال ایک موبن جو ڈار و کافی ہے !

*She has given the most beautiful female touch to  
Urdu poetry.....Delhi Recorder*

*Now the perspective and themes are no more those  
of a young emotional girl but that of a mature,  
sensitive woman whose individual perception has  
become a comprehensive, collective vision of  
throbbing mind. .... 3rd World International*



# شاعرہ کی دوسری کتابیں

• خوشبو • صدبرگ • خودکلامی  
• آئینے کے اس طرف (ترجم - زیر ترتیب)